بسم الله الرحمن الرحیم

۱۔ حزب التحریر:

یہ ایک ایسی جماعت ہے جس کی بنیاد اسلام ہے۔ سیاست اس کا کام اور اسلام اس کی اساس ہے۔ یہ امت کے اندر اور امت کے ساتھ مل کر اس لیے کام کرتی ہے کہ امت اسلام کو اپنا مسئلہ سمجھے۔ اور حزب التحریر خلافت کو دوبارہ قائم کرنے اور اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکامات کو نافذ کرنے کے لیے امت کی رہنمائی کرے۔

حزب التحریر کوئی روحانی، علمی، تعلیمی یا خیراتی جماعت نہیں، بلکہ یہ ایک سیاسی جماعت ہے اور اسلامی فکر ہی اس کے جسم کی روح ہے۔ یہی اس کا نقطۂ آغاز ہے اور یہی اس کی زندگی کا راز ہے۔

۲۔ حزب التحریر کے قیام کے اسباب:

حزب التحریر کا قیام اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر عمل تھا:

﴿وَلتَكُن مِّنكُم أُمَّةٌ يَّدعُونَ اِلَى الخَيرِ وَيَأمُرُونَ بِالمَعرُوفِ وَيَنهَونَ عَنِ المُنكَرِ وَأُولٰئِكَ هُمُ المُفلِحُون﴾ (آل عمران: ۱۰۴)

''اور تم میں ایک جماعت ایسی ضرور ہونی چاہیے جو خیر کی طرف دعوت دے۔ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کرے۔ اور درحقیقت یہی لوگ کامیاب ہیں۔''

تا کہ امت کو پستی کے اس گڑھے سے باہر نکالا جا سکے، جس میں وہ گر چکی ہے۔ نیز اسے کفریہ افکار، کفریہ نظاموں اور کفریہ احکامات سے، اور کافر حکومتوں کے تسلط و اثر و رسوخ سے آزاد کرایا جا سکے۔ تا کہ یہ (امت) خلافتِ اسلامیہ کو دوبارہ قائم کر کے اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکامات کے مطابق حکومت کرے۔

سیاسی جماعتوں کا قیام شرعاً فرض ہے:

حزب التحریر کا قیام اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر عمل کرتے ہوئے کیا گیا کہ: ﴿وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ أُمَّةٌ﴾ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں مسلمانوں کو حکم دیا کہ ان میں ایک ایسی منظّم جماعت ضرور ہونی چاہیے جو درجِ ذیل دو کام کرے:

اول: خیر یعنی اسلام کی طرف دعوت دینے کا کام۔

دوم: **امر بالمعروف اور نهی عن المنكر.**

بظاہر یہاں ایک منظّم جماعت بنانے کا صرف حکم ہے لیکن یہاں ایک ایسا قرینہ پایا جاتا ہے جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ حکم قطعی (فرض) ہے۔ اس آیت نے جو کام متعیّن کیا وہ اسلام کی طرف دعوت اور **امر بالمعروف و نهی عن المنكر** ہے، اور یہ کام مسلمانوں پر فرض ہے۔ جیسا کہ بہت ساری آیات اور احادیث میں وارد ہوا ہے۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

(وَالَّذِیْ نَفسِیْ بِیَدِہٖ لَتأمُرُنَّ بِالمَعرُوفِ وَلَتَنْهَوُنَّ عَنِ المُنكَرِ اَولیُوشَكَنَّ اللّٰهُ اَنْ یَّبْعَثَ عَلَیْكُمْ عِقَابًامِّن عِندِہٖ ثُمَّ لَتدعُنَّهُ وَلَایُستَجَابُ لَكُم)

"اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے تم ضرور **امر بالمعروف اور نهی عن المنكر** کرتے رہو۔ ورنہ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر عذاب نازل کر دے۔ پھر تم اسے پکارو لیکن تمہاری پکار سنی نہ جائے۔"

اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ یہاں حکم حتمی اور امر فرضیت کے لیے ہے۔

جہاں تک اس منظّم جماعت کے سیاسی ہونے کا تعلق ہے، تو اس آیت میں مسلمانوں سے مطالبہ کیا گیا ہے کہ وہ اپنے اندر ایک ایسی منظّم جماعت قائم کریں جس کا کام اسلام کی طرف دعوت، اور **امر بالمعروف ونہی عن المنکر** ہو۔ **امر بالمعروف ونہی عن المنکر** کا یہ عمل حکمرانوں کو نیکی کا حکم دینے اور انہیں برائی سے منع کرنے پر بھی مشتمل ہے، بلکہ حکام کا یہ محاسبہ اور ان کو نصیحت کرنا ہی دراصل سب سے بڑا **امر بالمعروف** اور **نہی عن المنکر** ہے۔ یہ ایک سیاسی عمل ہے، بلکہ سب سے بڑا سیاسی کام ہے اور یہ سیاسی جماعتوں کے اہم ترین کاموں میں سے ایک ہے۔ چنانچہ یہ آیت سیاسی جماعتوں کے قیام کی فرضیت پر دلالت کرتی ہے۔ لیکن اس آیت نے اس بات کی تحدید کر دی کہ یہ جماعتیں اسلامی ہوں، کیونکہ ان کا کام اسلام کی طرف دعوت، **امر بالمعروف** اور **نہی عن المنکر** ہے، اور یہ کام صرف اسلامی جماعتیں ہی کر سکتی ہیں۔

اسلامی جماعت وہ جماعت ہوتی ہے جو اسلامی عقیدے پر قائم ہو اور جو اسلامی افکار، احکام اور (مسائل کا) اسلامی حل اختیار کرتی ہو۔ نیز اس کا طریقہ کار (منہج) بھی رسول اللہ ﷺ کا طریقہ کار ہو۔ لہٰذا مسلمانوں میں غیر اسلامی بنیاد اور غیر اسلامی فکر و طریقہ پر کسی جماعت کا ہونا جائز نہیں، کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔

اور یہ اس لیے بھی، کہ صرف اسلام ہی اس کائنات میں صحیح ترین مبدأ اور فطرتِ انسانی کے موافق عالمگیر نظریہ ہے۔ جو انسان کے ساتھ بحیثیتِ انسان معاملہ کرتا ہے اور نہ صرف اس کی جسمانی، عضویاتی اور فطری ضرورتوں کو پورا کرتا ہے بلکہ ان کو صحیح طور پر منظّم بھی کرتا ہے۔ ان کو بالکل کھلا چھوڑ دیتا ہے اور نہ بالکل ختم کرتا ہے، اور نہ ایک فطرت کو دوسری فطرت پر غالب کر دیتا ہے۔ یہ ایک ایسا جامع نظام ہے جو زندگی کے تمام امور کو منظّم کرتا ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مسلمانوں پر لازم کیا ہے کہ وہ اسلام کے تمام احکامات پر کاربند رہیں۔ خواہ ان کا تعلق ان کے خالق سے ہو، مثلاً عقائد اور عبادات سے متعلق احکامات، یا ان کا تعلق ان کی اپنی ذات سے ہو، جیسے اخلاق، کھانے پینے اور پہننے کے احکامات، یا پھر ان کے علاوہ

دیگر احکامات ہوں، مثلاً معاملات، معاشرت وغیرہ سے متعلق احکامات۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر یہ بھی فرض کیا ہے کہ وہ زندگی کے تمام امور میں اسلام کو نافذ کریں اور اس کے مطابق فیصلہ کریں۔ ان کے دستور اور تمام قوانین کتاب وسنت سے ماخوذ شرعی احکامات ہوں۔ ارشادِ باری ہے:

﴿فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا اَنزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهوَاءَ هُم عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الحَقِّ﴾ (المائدة:۴۸)

''پس ان کے درمیان اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ (احکامات) کے مطابق فیصلہ کریں، اور جو حق آپ کے پاس آیا ہے، اس کے مقابلے میں ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں۔''

اور دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا اَنزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهوَاءَ هُم وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوكَ عَن بَّعْضِ مَا اَنزَلَ اللّٰهُ اِلَيكَ﴾ (المائدة: ۴۹)

''اور یہ کہ (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان کے درمیان اللہ کے نازل کردہ (احکامات) کے مطابق فیصلہ کریں، اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں۔ اور ان سے محتاط رہیں کہ کہیں یہ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ (بعض احکامات) کے بارے میں آپ کو فتنے میں نہ ڈال دیں۔''

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

﴿وَمَن لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُوْنَ﴾

''اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ (احکامات) کے مطابق فیصلہ نہ کریں تو یہی لوگ کافر ہیں۔'' (المائدة: ۴۴)

اسلام کے علاوہ دوسرے تمام نظام جیسے سرمایہ داری اور کمیونزم، جس میں اشتراکیت بھی ہے، باطل اور فطرتِ انسانی کے خلاف ہیں۔ کیونکہ یہ انسان کے وضع کردہ ہیں اور ان کا فساد اور عیب ظاہر ہو چکا ہے۔ نیز یہ اسلام اور اس کے احکامات سے بھی متناقض ہیں۔ لہٰذا ان کو اختیار کرنا، ان کا حامل وعلمبردار بننا، ان کی طرف دعوت دینا اور ان کی بنیاد پر جماعت بنانا حرام ہے۔

چنانچہ مسلمانوں کی جماعت صرف اسلامی عقیدہ، فکر اور طریقہ کی بنیاد پر قائم ہوتی ہے۔ اور سرمایہ داری، کمیونزم یا اشتراکیت، اسی طرح قومیت، وطنیت، گروہی، یا جمہوری نظام کی بنیاد پر جماعت بنانا مسلمانوں پر حرام ہے۔ اسی طرح ان جماعتوں کی طرف نسبت کرنا یا ان کی ترویج کرنا بھی حرام ہے۔ کیونکہ یہ کفریہ جماعتیں ہیں، جو کفر کی طرف دعوت دیتی ہیں۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الاٰخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ﴾ (آل عمران: ۸۵)

''اور جو کوئی اسلام کے علاوہ کوئی اور دین اختیار کرے، تو اس کی طرف سے یہ ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔ اور آخرت میں وہ خسارہ پانے والوں میں سے ہوگا۔''

اور گزشتہ آیت میں ہے کہ:

﴿يَدعُونَ اِلَى الْخَيْر﴾

''یعنی اسلام کی طرف دعوت دیتے ہیں۔''

اور رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

(مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَيْسَ عَلَيْهِ اَمْرُنَا فَهُوَرَدٌّ)

''جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس پر ہمارا حکم نہیں، تو وہ عمل مسترد ہے۔''

اور فرمایا:

(مَنْ دَعَا اِلٰى عَصْبِيَّةٍ فَلَيْسَ مِنَّا)

''جس نے عصبیت کی طرف بلایا، وہ ہم میں سے نہیں۔''

امتِ مسلمہ کو ذلت و پستی کے اس گڑھے سے نکالنا، جس میں وہ گر چکی ہے، اور اسے کافرانہ افکار، کافرانہ نظاموں اور کافرانہ احکام، نیز کافر ممالک کے غلبے اور اثر و رسوخ سے آزاد کرنا صرف اسی وقت ممکن ہے کہ جب اس کی فکر کی موجودہ پستی کو تبدیل کر کے اسے فکر کی بلندی تک پہنچا دیا جائے، اور اس فکر کو کلی طور پر تبدیل کر کے ان افکار کی جگہ اسلامی افکار و تصورات پیدا کیے جائیں۔ تاکہ زندگی میں اس کا چال چلن اسلامی افکار و احکامات کے مطابق ہو جائے۔ جس

چیز نے امت کو ذلت ورسوائی کی اس انتہا تک پہنچایا' وہ فہمِ اسلام اور اس کے احکامات کی ادائیگی میں کوتاہی کرنے کی صورت میں یہ سخت کمزوری ہے' جس کا مظاہرہ اس نے دوسری صدی ہجری سے لے کر اب تک کیا۔ اس پستی اور کھوٹ کی وجہ سے اس کے ذہن میں کئی باتیں سرایت کر گئیں' جن میں سے چند واضح امور یہ ہیں:

(۱) ہندی' فارسی اور یونانی فلسفوں کو نقل کیا گیا' نیز اسلام اور ان فلسفوں کے درمیان مکمل تضاد کے باوجود بعض مسلمانوں کی طرف سے اسلام اور ان فلسفوں کو آپس میں ملانے کی کوشش کی گئی۔

(۲) اسلام سے بغض اور کینہ رکھنے والوں نے اسلام کو بدنام کرنے کے لیے اور مسلمانوں کو اس سے دور رکھنے کے لیے ایسے احکام وافکار اس میں داخل کیے' جو اسلام میں سے نہیں۔

(۳) اسلام کے فہم اور اس کے احکامات کی ادائیگی میں عربی زبان سے غفلت برتی گئی۔ اسے ساتویں صدی ہجری میں اسلام سے جدا کر دیا گیا۔ جبکہ اللہ کا دین اس کی زبان کے علاوہ کسی اور زبان کے ذریعے سمجھا ہی نہیں جا سکتا۔ اس طرح اجتہاد کے بغیر نئے حالات کے لیے نئے احکامات کا استنباط ممکن نہیں رہا۔

(۴) سترھویں صدی عیسوی میں مسلمانوں کو اسلام سے دور کرنے کے لیے کافر مغربی ممالک نے ان پر مشنری' ثقافتی اور سیاسی یلغار کے ذریعے کاری ضرب لگائی۔

مسلمانوں کو بیدار کرنے کے لیے کئی کوششیں ہوئیں اور متعدد اسلامی و غیر اسلامی تحریکیں وجود میں آئیں۔ لیکن وہ سب کی سب ناکام ہوئیں۔ نہ تو مسلمانوں کو بیدار کر سکیں اور نہ ذلت ورسوائی کے راستے میں رکاوٹ بن سکیں۔ اسلام کے ذریعے مسلمانوں کو بیدار کرنے کی ان کوششوں اور تحریکوں کی ناکامی کا سبب کئی امور ہیں' جو درج ذیل ہیں:

(۱) مسلمانوں کو بیدار کرنے والوں کا اسلامی فکر کو باریک بینی سے نہ سمجھنا اور حالات سے متأثر نہ ہونا' نیز ان افکار کے تعیّن اور احکام کے نفاذ کے لیے' جن کے بغیر اور جن کے ذریعے وہ مسلمانوں کو بیدار اور ان کی مشکلات کو حل کرنا چاہتے تھے' یہ احکام وافکار خود ان کے ذہنوں میں

واضح نہیں تھے۔ وہ اسلام کی دعوت بھی عامیانہ انداز میں دیتے تھے۔ انہوں نے موجودہ حالات کو ہی اپنی فکر کے لیے مصدر بنایا اور اسی کی بنیاد پر فکر کرتے رہے۔ نیز موجودہ حالات کا ساتھ دینے کے لیے اسلام کی ایسی تاویل اور تفسیر کی، جس کی نصوص اجازت نہیں دیتے۔ بلکہ یہ اسلام سے متناقض تھی۔ چنانچہ انہوں نے حالات کو اس طرح سوچ بچار کے لیے محلّ نہیں بنایا کہ ان کو اسلام اور اس کے احکامات کے مطابق تبدیل کریں۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے آزادی، جمہوریت، سرمایہ دارانہ نظام اور اشتراکیت کی بات کی۔ اور ان نظریات کے عملی طور پر اسلام سے ٹکراؤ کے باوجود ان کو اسلام سمجھتے رہے۔

(۲) اسلامی فکر اور احکامات کے نفاذ کا طریقہ ان کے سامنے بالکل واضح نہیں تھا۔ انہوں نے اسلامی افکار کو جلد بازی اور مبہم طریقے سے لیا۔ وہ یہ سمجھ بیٹھے کہ اسلام کا دوبارہ احیاء مساجد کی تعمیر، کتب کی اشاعت یا فلاحی سوسائیٹیوں کے قیام سے یا اخلاقی تربیت اور افراد کی اصلاح سے ہوسکتا ہے۔ وہ معاشرے کے فساد، یا افکار واحکام اور نظاموں کے غلبے سے غافل تھے۔ وہ یہی گمان کرتے رہے کہ معاشرے کی اصلاح فرد کی اصلاح سے ہوسکتی ہے۔ حالانکہ معاشرے کی اصلاح صرف اس کے افکار، احساسات اور نظاموں کی اصلاح سے ممکن ہے اور افراد کی اصلاح معاشرے کی اصلاح ہی سے ممکن ہے۔ کیونکہ معاشرہ صرف افراد کا مجموعہ نہیں، بلکہ معاشرہ افراد اور تعلقات کا مجموعہ ہے۔ یعنی افراد، افکار، احساسات اور نظام کا۔ اور جس طرح کہ رسول اللہ ﷺ نے جاہلی معاشرے کو اسلامی معاشرے میں تبدیل کرنے کے لیے کام کیا۔ آپ ﷺ نے معاشرے میں موجود عقائد کو اسلامی عقیدے میں تبدیل کیا اور جاہلی افکار وتصورات اور عادات کو اسلامی افکار وتصورات اور احکامات سے بدل دیا۔ اور یہیں سے آپ ﷺ نے لوگوں کے احساسات کا تعلق جاہلیت کے افکار وعقائد اور رسوم ورواج سے توڑ کر اسلامی عقیدے اور اسلامی افکار واحکام سے جوڑا، اور یوں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو مدینے کا معاشرہ بدلنے کا شرف بخشا۔ اور اہلِ مدینہ کی اکثریت اسلامی عقیدے کے ساتھ منسلک ہوگئی، اور اس نے اسلامی افکار و نظریات اور احکامات کو اپنالیا۔ اسی وقت رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہؓ نے عقبہ ثانیہ

کے بعد مدینہ کی طرف ہجرت کی اور ان پر اسلامی احکامات کو نافذ کیا۔ یوں مدینہ میں اسلامی معاشرہ قائم ہوا۔

(۳) کچھ لوگوں نے سمجھا کہ مادی اعمال سے اسلام کا دوبارہ احیاء ہوسکتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے ہتھیار اٹھایا' لیکن انہوں نے دارالکفر اور دارالاسلام میں بھی فرق نہیں کیا۔ وہ یہ بھی نہ سمجھ سکے کہ دعوت کی کیفیت کیا ہونی چاہیے؟ اور دونوں دیار (دارالکفر اور دارالاسلام) میں دعوت کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا؟ چنانچہ یہ دار' کہ جس میں آج ہم بستے ہیں' یہ بھی دارالکفر ہے۔ کیونکہ یہاں کافرانہ احکام نافذ ہیں۔ اور یہ بالکل اسی طرح ہے' جس طرح کہ بعثت کے وقت مکہ کی حالت تھی۔ لہٰذا یہاں دعوت کا طریقہ کار بھی وہی ہوگا' یعنی دعوت وسیاست' نہ کہ مادی اعمال۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے مکہ میں دعوت دی اور صرف دعوت پر اکتفاء کیا' اور کوئی مادی عمل اور مادی طریقہ اختیار نہیں کیا۔ کیونکہ مقصد ان حکمرانوں کو ہٹانا نہیں' جو اللہ کے نازل کردہ احکامات کے مطابق حکومت نہیں کرتے' بلکہ مقصد دارالکفر کو اس کے افکار اور نظاموں کے ساتھ تبدیل کرنا ہے۔ اور اس کی تبدیلی افکار' احساسات اور نظاموں کی تبدیلی سے ہوگی۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے مکہ میں کیا۔ اور جہاں تک ایسے دارالاسلام کا تعلق ہے کہ جس میں اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکامات کے مطابق نظام چل رہا ہو' لیکن اس کا حکمران کھڑے ہو کر صریح کفر کا نظام چلانے لگے' تو اس کی مخالفت کرنا اب مسلمانوں پر فرض ہے۔ وہ اس کا محاسبہ کریں تاکہ دوبارہ وہ اسلام کی طرف لوٹ آئے۔ اگر وہ رجوع نہ کرے تو اس کے خلاف اسلحہ اٹھانا فرض ہے' تاکہ اس کو مجبور کیا جاسکے کہ وہ اللہ کے نازل کردہ احکامات کو دوبارہ نافذ کرے۔ جیسا کہ عبادہؓ بن الصامت کی حدیث میں ہے:

(وَاَنْ لَّا نُنَازِعَ الْاَمْرَ أَهْلَهُ اِلَّا أَنْ تَرَوْا كُفْرًا بَوَاحًا عِنْدَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ فِيْهِ بُرْهَانٌ)

''اور اس بات پر (ہم نے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی) کہ ہم اولوالامر کے ساتھ جھگڑا نہیں کریں گے' جب تک کہ وہ صریح کفر کا ارتکاب نہ کریں۔ جس کی تمہارے پاس اللہ تعالیٰ

کی طرف سے واضح دلیل موجود ہو۔''

اور عوفؓ بن مالک کی وہ حدیث، جسے مسلمؒ نے روایت کیا ہے:

(قِيْلَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ! اَفَلا نُنَابِذُهُمْ بِالسَّيْفِ؟ فَقَالَ: لَا. مَاأَقَامُوْا فِيْكُمُ الصَّلَاةَ)

''کہا گیا کہ اللہ کے رسول (ﷺ)! کیا ہم ان کو بزورِ شمشیر نکال باہر نہ پھینکیں؟ فرمایا: نہیں، جب تک کہ وہ تمہارے درمیان نماز قائم کرتے رہیں۔''

اور نماز کو قائم کرنا اسلام کے مطابق حکومت کرنے سے کنایہ ہے۔ یہ دونوں احادیث ہمیں دارالاسلام میں حاکمِ وقت کا محاسبہ کرنے کا طریقہ بتاتی ہیں کہ محاسبہ کی کیفیت کیا ہوگی اور کفرِ صریح سے منع کرنے کے لیے دارالاسلام میں مادی قوت کب استعمال کی جائے گی۔

خلافت اور اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکامات کے مطابق چلنے والی حکومت کے دوبارہ قیام کے لیے محنت اس لیے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر تمام شرعی احکامات پر سختی سے عمل کرنے اور اللہ کے نازل کردہ احکامات کے مطابق نظام چلانے کو فرض کیا ہے۔ اور یہ سب کچھ ایک اسلامی ریاست اور ایک ایسے خلیفہ کے بغیر ممکن نہیں، جو لوگوں پر اسلام نافذ کرے۔ مسلمان، پہلی جنگِ عظیم کے بعد، خلافت کے خاتمے سے لے کر اب تک، اسلامی ریاست اور اللہ کے نظام کے بغیر زندگی گزار رہے ہیں۔ اسی لیے خلافتِ اسلامیہ اور اللہ کے نازل کردہ احکامات کے مطابق حکومت کو دوبارہ قائم کرنے کے لیے کام کرنا فرض ہے۔ اسلام اس کو فرض قرار دیتا ہے۔ اور یہ ایسا فرض ہے کہ اس میں کوئی اختیار اور کسی قسم کی سستی کی کوئی گنجائش نہیں۔ اس کام میں سستی سب سے بڑا گناہ ہے، جس پر اللہ تعالیٰ سخت عذاب دے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(وَمَنْ مَاتَ وَلَيْسَ فِيْ عُنُقِهٖ بَيْعَةٌ، مَاتَ مِيْتَةً جَاهِلِيَّةً)

''اور جو کوئی اس حال میں مرا کہ اس کی گردن میں (خلیفہ کی) بیعت (کا طوق) نہ ہو تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔''

اور اس کام سے غفلت برتنا اسلام کے اہم ترین فرض سے غفلت برتنا ہے۔ کیونکہ

اسلامی احکام کو قائم کرنا اسی پر موقوف ہے۔ بلکہ دین کا کارزارِ حیات میں داخل ہونا ہی اس پر منحصر ہے۔ اور یہ اصول ہے کہ جس عمل کے بغیر فرض ادا نہیں ہوسکتا' وہ عمل بھی فرض ہے۔ چنانچہ حزب التحریر اسی مقصد کے لیے قائم ہوئی اور اس کی بنیاد اسلامی عقیدہ ہے۔ اس نے ان اسلامی افکار واحکامات کو اختیار کیا' جو اپنے مقصد تک پہنچنے کی خاطر اس کے لیے ضروری اور لازمی ہیں۔ اس نے ان تمام کمزوریوں کا سدباب کیا' جن کی وجہ سے وہ تمام جماعتیں ناکام ہوئیں' جو اسلام کے ذریعے مسلمانوں کو بیدار کرنے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔ حزب التحریر نے اُس فکر اور طریقۂ کار کا فکری طور پر بڑی باریک بینی سے ادراک کیا' جو کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کی صورت میں وحی کے ذریعے نازل ہوا' اور جس کی طرف اجماعِ صحابہؓ اور قیاس رہنمائی کرتے ہیں۔ اس نے موجودہ صورتِ حال پر بھی غور وفکر شروع کیا' تاکہ اسے اسلامی احکامات کے مطابق تبدیل بھی کیا جاسکے۔ حزب التحریر نے دعوت دینے میں رسول اللہ ﷺ کا وہ طریقہ اختیار کیا' جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ میں اختیار فرمایا تھا۔ یہاں تک کہ مدینہ میں ایک اسلامی ریاست وجود میں آئی۔ اپنے افراد کے درمیان مضبوط تعلقات قائم کرنے کے لیے جس رابطہ کو اختیار کیا' وہ عقیدہ اور اسلامی احکامات وافکار ہیں۔ چنانچہ حزب التحریر اس قابل ہے کہ امت اس کو اختیار کرے' اور اس کی ہمسفر بنے۔ بلکہ یہ امت پر فرض ہے کہ وہ اسے اپنائے اور اس کی ہمراہی بنے۔ کیونکہ یہ واحد جماعت ہے جو اپنی فکر کو اچھی طرح سمجھ چکی ہے۔ اس نے اپنے راستے پر نظر رکھی ہوئی ہے اور اپنے مسئلے سے خوب واقف ہے۔ اور یہ کسی رکاوٹ کی پروا کیے بغیر رسول اللہ ﷺ کی سیرت کے مطابق اپنا راستہ متعین کرچکی ہے۔ چنانچہ اسے اب اپنے مقصد سے کوئی ہٹا نہیں سکتا۔

۳۔ حزب التحریر کا ہدف:

حزب التحریر کا ہدف اسلامی زندگی کا ازسرِنو آغاز اور پوری دنیا تک اسلامی دعوت کو

پہنچانا ہے۔ یہ ہدف' یعنی مسلمانوں کو دار الاسلام میں اسلامی زندگی کی طرف لوٹانا اور اسلامی معاشرے میں زندگی کے ہر پہلو کو احکامِ شرعیہ کے مطابق بنانا ہے' جہاں اسلامی ریاست کے زیرسایہ حلال وحرام کا نظریہ قائم ہو۔ یہ ہدف دراصل خلافت کا قیام ہے۔ یہ مسلمانوں کی طرف سے ایک خلیفہ کے تقرر سے حاصل ہوگا۔ جس کے ہاتھ پر مسلمان کتاب اللہ اور سنتِ رسول ﷺ کے مطابق حکومت کرنے' اور اسلام کو پوری دنیا کے سامنے دعوت و جہاد کے ذریعے پیش کرنے کی شرط پر بیعت کریں گے۔ حزب التحریر کا ہدف یہ بھی ہے کہ فکرِ مستنیر (روشن فکر) کے ذریعے امت میں صحیح بیداری پیدا کی جائے' تاکہ امت کو کھویا ہوا مقام دوبارہ حاصل ہو جائے۔ مختلف مملکتوں' امتوں اور اقوام سے زمامِ اقتدار چھین کر ایک زبردست اسلامی حکومت قائم کی جائے' جیسا کہ یہ پہلے قائم تھی۔ اور پھر وہ اسلامی احکامات کے مطابق حکومت کرے۔ اسی طرح حزب التحریر کا ہدف یہ بھی ہے کہ انسانوں کو ہدایت ملے۔ نیز امت کی قیادت کرتے ہوئے کفریہ نظاموں اور افکار کے خلاف جدوجہد بھی اس کے اہداف میں شامل ہے' تاکہ پوری زمین پر اسلام کا پرچار ہو۔

۴۔ حزب التحریر کی رکنیت:

کوئی بھی مسلمان مرد اور عورت حزب التحریر کا ممبر بن سکتا ہے۔ قطع نظر اس کے' کہ وہ عربی ہو یا عجمی' کالا ہو یا گورا' کیونکہ یہ تمام مسلمانوں کی جماعت ہے۔ یہ قومیتوں' رنگ ونسل اور مسالک کو نظر انداز کرتے ہوئے تمام مسلمانوں کو اسلام کا علمبردار ہونے اور اس کے نظاموں کو اختیار کرنے کی دعوت دیتی ہے اور سب کو ایک ہی نظر سے دیکھتی ہے۔ اس میں افراد کے درمیان ربط وتعلق کا طریقہ اسلامی عقیدے کو اختیار کرنا' ان کو حزب کی ثقافت میں رنگنا' اور حزب کے افکار و آراء کو اختیار کرنا ہے۔ کوئی شخص حزب میں شامل ہو جاتا ہے تو وہ اس میں ڈھل جاتا ہے۔ اور جب وہ اس کے ساتھ دعوت میں شامل ہوتا ہے' تو اس کے افکار وتصورات کو اختیار کرتا ہے۔ چنانچہ حزب کے افراد کے درمیان رابطہ اسلامی عقیدہ اور حزب کی وہ ثقافت ہے' جو اسلامی عقیدے سے

نکلتی ہے۔اس میں عورتوں کے حلقات مردوں سے الگ ہوتے ہیں اور عورتوں کے حلقات کے مشرفین (نگران) خود عورتیں یا ان کے محرم مرد یا ان کے شوہر ہوتے ہیں۔

۵۔ حزب التحریر کا کام:

حزب التحریر کا کام اسلامی دعوت کے علم کو تھامتے ہوئے موجودہ فاسد (بگڑے ہوئے) معاشرے کو ایک اسلامی معاشرہ بنانا ہے۔وہ اس طرح کہ موجودہ افکار کو اسلامی افکار میں تبدیل کیا جائے' یہاں تک کہ ایک ایسی رائے عامہ اور تصورات تیار ہو جائیں' جو انہیں اسلام کے نفاذ اور اس کے تقاضوں پر عمل پیرا ہونے پر آمادہ کر دیں۔اور احساسات کو اس طرح تبدیل کیا جائے کہ خوشی اور غمی کا معیار اللہ کی خوشنودی اور ناراضی ہو' اور تمام تعلقات کو بدل کر خالص اسلامی تعلقات پیدا کیے جائیں۔یہ سارے کام' جو حزب التحریر کرتی ہے' سیاسی کام ہیں۔کیونکہ حزب التحریر اسلامی احکامات کے مطابق لوگوں کے مسائل و معاملات کی نگرانی کرتی ہے۔چونکہ سیاست درحقیقت اسلامی احکامات کے مطابق لوگوں کے امور کی دیکھ بھال ہی کا نام ہے۔چنانچہ انہی سیاسی اعمال سے امت کو اسلامی ثقافت سے آراستہ' نیز فاسد عقائد' غلط افکار اور کفریہ افکار و آراء کے اثر سے آزاد کیا جاسکتا ہے۔اسی طرح حزب التحریر سیاسی اعمال کے ذریعے سے فکری کشمکش اور سیاسی جدوجہد بھی کرتی ہے۔جہاں تک فکری کشمکش کا تعلق ہے تو یہ کفریہ افکار اور نظاموں کے ساتھ ہوتی ہے۔تاکہ ان غلط افکار و فاسد عقائد اور باطل نظاموں اور تصورات کے فساد اور ان کی غلطی کو ظاہر اور واضح کیا جائے۔اور ان کے بارے میں اسلامی احکامات کو بیان کیا جائے۔

جہاں تک سیاسی جدوجہد کا تعلق ہے تو یہ کفار اور استعمار کے غلبے اور اثر و رسوخ سے آزادی کے لیے ہوتی ہے۔تاکہ اسلامی ممالک سے ان کی فکری' ثقافتی' سیاسی و اقتصادی اور عسکری جڑوں کو اکھاڑ پھینکا جاسکے۔اسی طرح حکمرانوں سے ٹکراؤ' ان کی خیانتوں کو واضح کرنا' سازشوں کو

بے نقاب کرنا' ان کا محاسبہ کرنا' اور جب وہ امت کے حقوق غصب کرنے لگیں تو ان کو روکنا' اپنی ذمہ داری کی انجام دہی میں سستی کرنے کی صورت میں ان کی خبر لینا' یا کسی ضروری اَمر سے غفلت برتنے یا کسی اسلامی حکم کی مخالفت کرنے کی صورت میں ان کو منع کرنا بھی حزب التحریر کے کاموں میں شامل ہے۔ پس حزب کا تمام تر عمل (کام) سیاسی ہے' خواہ وہ حکومت کے اندر ہو یا باہر۔ اس کا عمل تعلیمی ہے اور نہ یہ کوئی مدرسہ ہے۔ اور نہ اس کا کام وعظ وارشاد ہے۔ بلکہ اس کا کام سیاسی ہے۔ یہ اسلامی افکار واحکام کو اس لیے پیش کرتی ہے' تاکہ کارزارِ حیات میں ان پر عمل کیا جا سکے۔ حزب اس طور پر اسلام پر عمل پیرا اور اس کی علمبردار ہے کہ یہ نافذ ہو۔ اس کا عقیدہ ایک عقلی اور سیاسی عقیدہ ہے' جس سے ایک ایسا نظام نکلتا ہے۔ جو انسان کی تمام مشکلات' خواہ وہ سیاسی ہوں یا اقتصادی' ثقافتی ہوں یا اجتماعی' سب کو حل کرتا ہے۔

۶۔ حزب التحریر کا دائرہ عمل:

اسلام اگرچہ ایک عالمی مبدأ ہے لیکن اس کا طریقہ کار یہ نہیں کہ آغاز ہی سے اس کے لیے عالمی سطح پر کام کیا جائے۔ اگرچہ اس کی دعوت عالمی سطح پر دی جائے' لیکن اس کا دائرہ عمل ایک علاقے یا کئی علاقوں تک محدود رہنا چاہیے۔ تاکہ یہ علاقہ اس کے لیے ایک مرکز بن سکے اور وہاں ایک اسلامی حکومت قائم کی جا سکے۔ یوں تو ساری دنیا اسلامی دعوت کے لیے مناسب ہے' لیکن چونکہ اسلامی ممالک کے باشندے اسلام کو اپنا دین سمجھتے ہیں' اس لیے دعوت کا آغاز ان سے کیا جاتا ہے۔ کیونکہ عرب ممالک کے باشندے امت مسلمہ کا ایک حصہ ہیں' اور عربی زبان بولتے اور سمجھتے ہیں' جو قرآن وحدیث کی زبان ہے اور اسلام کا ایک جوہری جزو اور اسلامی ثقافت کے عناصر میں سے ایک بنیادی عنصر ہے' لہٰذا دعوت کی ابتداء ان عرب ممالک ہی سے کرنا زیادہ بہتر اور مناسب تھا۔ چنانچہ حزب التحریر کی ابتداء اور اس کی دعوت کا آغاز بعض عرب ممالک ہی سے ہوا ہے۔ پھر یہ طبعی طریقے سے اپنی دعوت کو عام کرنے کے لیے پھیلتی چلی گئی' یہاں تک کہ اب یہ اکثر

عرب ممالک' بلکہ بعض غیر عرب اسلامی ممالک میں بھی کام کرنے لگی ہے۔

۷۔ حزب التحریر کے مجوزہ افکار:

امت کی موجودہ حالت کے بارے میں غور وفکر اور بحث ومطالعہ کے بعد حزب التحریر جس نتیجے پر پہنچی' اور اسی طرح رسول اللہ ﷺ' خلفائے راشدینؓ وتابعینؒ اور تبع تابعینؒ کے زمانے کے حالات کا جائزہ لینے' نیز سیرت رسول اللہ ﷺ اور اسلامی دعوت کی ذمہ داری کے آغاز سے لے کر مدینہ میں اسلامی حکومت کے قیام تک کے حالات پر غور کرنے' پھر آپ ﷺ کی مدنی زندگی کے مطالعہ' کتاب وسنت' اجماع صحابہؓ وقیاس کی طرف رجوع کرنے اور صحابہؓ و تابعینؒ اور آئمہ مجتہدینؒ کے اقوال لینے کے بعد' حزب التحریر نے طریقۂ کار سے متعلق افکار و آراء اور احکام اختیار کیے۔ یہ افکار وآراء اور احکام صرف اور صرف اسلامی ہیں۔ ان میں کوئی چیز غیر اسلامی یا کسی غیر اسلامی چیز سے متأثر شدہ نہیں' بلکہ یہ خالص اسلامی ہیں۔ حزب التحریر کسی غیر اسلامی اصول یا نص پر اعتماد نہیں کرتی۔ بلکہ صرف اور صرف اسلامی فکر ہی پر اعتماد اور بھروسہ کرتی ہے۔ حزب التحریر نے اُن افکار' احکام اور آراء کو اختیار کیا' جو اسلامی زندگی کے دوبارہ احیاء اور خلیفہ وخلافت کے قیام کے ذریعے دنیا بھر میں اسلامی دعوت کو پھیلانے کے لیے ضروری تھے۔ حزب التحریر نے ان افکار' آراء اور احکام پر مشتمل کئی کتابیں اور مطبوعات لوگوں کے لیے شائع کی ہیں' جو مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ اسلامی نظام
۲۔ اسلام کا حکومتی نظام
۳۔ اسلام کا اقتصادی نظام
۴۔ اسلام کا اجتماعی نظام
۵۔ حزب کی جماعت سازی

۶۔ حزب التحریر کے تصورات

۷۔ اسلامی ریاست

۸۔ اسلامی شخصیت (تین اجزاء)

۹۔ حزب التحریر کے سیاسی تصورات

۱۰۔ حزب التحریر کے سیاسی نظریات

۱۱۔ مقدمہ دستور

۱۲۔ خلافت

۱۳۔ خلافت کو کس طرح منہدم کیا گیا

۱۴۔ اسلام میں عقوبات کا نظام

۱۵۔ اسلام میں گواہیوں کے احکام

۱۶۔ کمیونزم اور مارکسزم کی تردید

۱۷۔ تفکیر

۱۸۔ سرعت البدایۃ

۱۹۔ اسلامی فکر

۲۰۔ مغربی قوانین میں نظریہ التزامِ کار

۲۱۔ دردناک صدا

۲۲۔ اعلیٰ معاشی نظریہ

۲۳۔ خلافت میں خزانے کا نظام

اسی طرح حزب التحریر نے ہزاروں پمفلٹس، یادداشتیں اور چھوٹے چھوٹے سیاسی اور فکری کتابچے شائع کیے ہیں۔ حزب التحریر ان افکار واحکام کو صرف سیاسی طریقے سے لوگوں تک پہنچاتی ہے۔ یعنی ان کو یہ فکر اس لیے دیتی ہے کہ وہ اس کو اختیار کریں، اس کے مطابق عمل کریں اور حکومت وکارزارِ حیات تک پہنچانے کے لیے اسے پھیلائیں۔ کیونکہ مسلمان ہونے کے ناطے اور

حزب کے اسلامی جماعت ہونے کی بنا پر یہ ان کا فرض ہے۔ علاوہ ازیں حزب التحریر نے اسلامی افکار واحکام کو اختیار کرنے کے لیے صرف کتاب وسنت، اجماعِ صحابہؓ اور قیاس پر اس لیے اعتماد کیا کیونکہ یہی وہ چاروں ماخذ ہیں، جن کی صحت قطعی دلیل سے ثابت ہے۔

۸۔ حزب التحریر کا طریقہ کار:

دعوت کو پھیلانے کے طریقہ کار سے مراد وہ شرعی احکامات ہیں، جو دعوت کی ذمہ داری اٹھانے سے متعلق رسول اللہ ﷺ کی سیرت سے ماخوذ ہیں، اور جن کی پیروی ہم پر فرض ہے۔ کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيرًا﴾ (الاحزاب: ۲۱)

"یقیناً تمہارے لیے رسول اللہ بہترین نمونہ ہیں، اس شخص کے لیے، جو اللہ اور آخرت کے دن کی امید رکھتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرتا ہے۔"

اسی طرح ارشادِ ربانی ہے:

﴿قُلْ اِنْ كُنتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ﴾

"(اے محمد ﷺ!) کہہ دیجیے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری تابعداری کرو۔ اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا۔" (آل عمران: ۳۱)

اور ارشاد ہے:

﴿وَمَا اٰتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ (الحشر: ۷)

"اور رسول تمہیں جس چیز کا بھی حکم دیں اسے اختیار کر لو۔ اور جس چیز سے منع کر دیں، اس سے رک جاؤ۔"

ان کے علاوہ بہت سی ایسی آیات ہیں جو رسول اللہ ﷺ کی پیروی اور آپ ﷺ ہی

سے دین لینے کی فرضیت پر دلالت کرتی ہیں۔

چونکہ مسلمان آج کل دارالکفر میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے نازل کردہ احکامات کو پسِ پشت ڈال کر کفریہ احکامات کے مطابق حکومت کرتے ہیں۔لہٰذا ان دیار کی نوعیت رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے وقت مکہ کی طرح ہے۔پس دعوت کی ذمہ داری اٹھانے میں اسی دور کی سیرت کو مشعلِ راہ بنایا جائے۔

مکی دور سے مدینہ میں ایک اسلامی ریاست کے قیام تک کی سیرت پر نگاہ ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ اس دوران کچھ مخصوص اور واضح مراحل سے گزرے اور آپ ﷺ نے کچھ مخصوص اور واضح اعمال سرانجام دیئے۔ چنانچہ حزب التحریر نے بھی اپنے طریقہ کار میں آپ ﷺ کی اقتداء کرتے ہوئے انہی اعمال کو مراحل کے اعتبار سے اپنایا اور اسی بنیاد پر اپنے مشن کو تین مراحل میں تقسیم کیا:

پہلا مرحلہ: حزب کے فکر اور طریقہ پر ایمان رکھنے والے افراد کی تیاری اور تربیت کا مرحلہ۔ تاکہ ایک منظّم جماعت قائم ہو سکے۔

دوسرا مرحلہ: امت کے ساتھ مل کر کام کرنے کا مرحلہ۔ تاکہ وہ اسلام کی علمبردار بنے' اس کام کو اپنا فرضِ منصبی سمجھے' اور کارزارِ حیات میں اس کو نافذ کرنے کے لیے جدوجہد کرے۔

تیسرا مرحلہ: حکومت سنبھالنے' اسلام کو مکمل طور پر نافذ کرنے اور پوری دنیا تک اس کی دعوت کو پہنچانے کا مرحلہ۔

حزب التحریر کے پہلے مرحلے کی ابتداء القدس میں 1372ھ بمطابق 1953ء میں حزب التحریر کے بانی' عالمِ جلیل' عظیم مفکر' بے مثال سیاسی لیڈر اور القدس میں محکمۂ استئناف کے قاضی ''علامہ تقی الدین النبھانی'' نے کی۔اس مرحلہ میں حزب التحریر امت کے افراد کے ساتھ رابطہ کرتی رہی ہے اور انفرادی طور پر اپنی فکر اور طریقہ کو ان کے سامنے پیش کرتی رہی ہے۔پھر جو حزب کی دعوت کو قبول کر لیتا' تو اسے تعلیم کے لیے حزب کے حلقات میں تیار کیا جاتا۔تاکہ اُن

اسلامی افکار واحکامات کو اس کے ذہن میں راسخ کیا جائے' جن کو حزب نے اختیار کیا ہے۔ وہ ایک اسلامی شخصیت بن کر ابھرے اور اس کے احساسات اسلامی ہوں۔ اس کی عقلیہ اور نفسیہ اسلامی ہوں اور وہ اسلام کی دعوت پر کمر بستہ ہو۔ جب کوئی شخص اس درجے تک پہنچتا ہے اور اپنے آپ کو حزب کے حوالے کرتا ہے' تو حزب اسے اپنا ممبر بنالیتی ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ دعوت کے پہلے مرحلہ میں کیا کرتے تھے' جو تین سال تک جاری رہا۔ آپ ﷺ اسلام کو لوگوں کے سامنے پیش کرتے اور جو ایمان لے آتا' اس کو دین کی بنیاد پر خفیہ طریقے سے اپنی جماعت میں شامل فرماتے' اور پوری توجہ سے اس کو اسلامی تعلیم دیتے۔ ان کو نازل شدہ اور نازل ہونے والا قرآن پڑھاتے تاکہ اسلام ان کے دلوں میں رچ بس جائے۔ آپ ﷺ ان سے خفیہ طور پر ملتے اور خفیہ مقامات پر ان کو تعلیم دیتے۔ اور وہ بھی چھپ چھپ کر اپنی عبادات سرانجام دیتے۔ اس کے بعد مکہ میں اسلام کا ذکر زبان زدِ خاص وعام ہوگیا اور لوگ جوق در جوق اس میں داخل ہونے لگے۔ اس مرحلہ میں حزب التحریر نے اپنے ڈھانچے کو مکمل کرنے اور اپنی جماعت کو بڑھانے اور حزب کے مراکز میں حلقات کے ذریعے اپنے افراد کی تعلیم وتربیت پر خصوصی توجہ دی۔ یہاں تک وہ اسلامی زندگی کے سانچے میں ڈھلے ہوئے نوجوانوں کی ایک ایسی منظّم جماعت بنانے میں کامیاب ہوگئی' جو حزب کے افکار کی علمبردار اور لوگوں میں ان افکار کو پھیلانے کی داعی تھی۔

جب حزب ایک منظّم جماعت بنانے میں کامیاب ہوگئی اور معاشرے نے بھی اس کی ضرورت کو محسوس کیا اور اسے' اس کے افکار اور دعوت کو اچھی طرح سمجھ لیا تو حزب نے دوسرے مرحلہ میں قدم رکھا۔ یہ مرحلہ امت کے ساتھ مل کر کام کرنے کا ہے۔ تاکہ امت کو اسلام کا علمبردار بنایا جائے۔ عام لوگوں میں شعور پیدا کیا جائے اور حزب کے اختیار کردہ اسلامی افکار اور احکامات کے مطابق رائے عامہ کو ہموار کیا جائے۔ تاکہ امت ان افکار کو اپنا کر کارزارِ حیات تک انہیں پہنچانے کا بیڑہ اٹھائے۔ اس مرحلہ میں حزب نے عوام سے اجتماعی طور پر مخاطب ہونے کا انداز اختیار کیا اور اس مرحلے میں مندرجہ ذیل کام سرانجام دیئے:

(۱) حزب نے اپنا وجود بڑھانے' افراد میں اضافہ اور دعوت کا بوجھ اٹھانے کی صلاحیت

رکھنے والی شخصیات تیار کرنے اور فکری کشمکش اور سیاسی میدان میں کودنے والے افراد پیدا کرنے کے لیے حلقات میں افراد کی تعلیم وتربیت پر خصوصی توجہ دی۔

(۲) عوام کو اجتماعی طور پر اپنے اختیار کردہ اسلامی افکار واحکامات کی تربیت دینے کے لیے حزب التحریر نے مجالس، لیکچرز اور مساجد میں دروس، نیز عوامی اجتماعات کے مقامات میں بیانات کا اہتمام کیا۔ علاوہ ازیں اخبارات اور پمفلٹس کو بھی استعمال کیا۔ تاکہ امت میں اجتماعی شعور پیدا ہو اور وہ حزب کے ساتھ مل کر کام کرے۔

(۳) کفریہ عقائد، کفریہ نظاموں، کفریہ افکار و فاسد عقائد، غلط افکار اور باطل نظریات کے ساتھ فکری جنگ اس طرح کی گئی کہ ان کی کج روی، غلطی اور اسلام کے ساتھ ان کے تضاد کو آشکارا کیا گیا۔ تاکہ امت کو ان کے اثرات سے بچایا جا سکے۔

(۴) سیاسی کشمکش اور اس کی مذکورہ صورتیں:

(الف) اسلامی ممالک پر غلبہ اور اثر ورسوخ رکھنے والی کافر استعماری حکومتوں کے ساتھ فکری کشمکش، اور استعمار کی ہر شکل، چاہے وہ فکری ہو، سیاسی ہو، اقتصادی ہو یا عسکری، کے خلاف جدوجہد کرنا۔ ان کے منصوبوں اور سازشوں کو بے نقاب کر کے امت کو ان کے تسلط اور اثر ونفوذ سے آزاد کرانے کی جدوجہد کرنا۔

(ب) عرب اور اسلامی ممالک کے حکمرانوں کا محاسبہ کرنا۔ اور جب وہ امت کے حقوق غصب کریں، یا اپنے فرائض کی انجام دہی میں کوتاہی کریں، یا کسی معاملے میں سستی کا مظاہرہ کریں، یا کسی اسلامی حکم کی مخالفت کریں، تو ان کو للکارنا اور ان کی حکومت کو ہٹا کر اسلامی حکومت قائم کرنے کے لیے تگ ودو کرنا۔

(۵) شرعی احکامات کے مطابق امت کے مفادات کا خیال رکھنا اور اس کے امور کی نگرانی کرنا۔

حزب یہ سارے کام رسول اللہ ﷺ کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے کرتی ہے۔ جیسا کہ آپ ﷺ نے اس آیتِ مبارکہ کے نزول کے بعد کیے:

﴿فَاصۡدَعۡ بِمَا تُؤۡمَرُ وَاَعۡرِضۡ عَنِ الۡمُشۡرِكِيۡنَ﴾ (الحجر: ۹۴)

''آپ کو جس چیز کا حکم دیا گیا ہے' اسے کھول کر بیان کر دیں اور مشرکوں سے منہ پھیر لیں۔''

اس کے بعد آپ ﷺ نے اس کام کو ظاہر کر دیا۔ قریش کو صفا پر بلایا اور ان کو بتایا کہ آپ ﷺ اللہ کے بھیجے ہوئے نبی ہیں۔ اور آپ ﷺ نے ان سے مطالبہ کیا کہ وہ آپ ﷺ پر ایمان لائیں۔ یوں آپ ﷺ اپنی دعوت کو مختلف جماعتوں کے سامنے اسی طرح پیش کرنے لگے جس طرح آپ افراد کے سامنے پیش کیا کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے قریش' ان کے معبودوں اور عقائد و افکار کو للکارا۔ آپ نے ان کی کج روی' خرابی اور غلطی بیان کرتے ہوئے اس وقت کے تمام غلط عقائد اور افکار کے خلاف جدوجہد شروع کی۔ اس دوران برابر آیات نازل ہوتی رہیں اور ان کے وہ تمام جرائم' جن کا یہ ارتکاب کرتے تھے' کی تردید میں آیات نازل ہوئیں۔ مثلاً سود خوری' بچیوں کو زندہ درگور کرنا' ناپ تول میں کمی' زنا کاری وغیرہ۔ اسی طرح بہت سی آیات قریش کے سرداروں' ان کے اکابر اور آباؤ اجداد کے احمقانہ پن کو بیان کرنے' اور رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہؓ کے خلاف سازشوں سے پردہ اٹھانے کے لیے بھی نازل ہوئیں۔

حزب اپنے افکار کو اختیار کرنے' دوسرے افکار اور جماعتوں کو للکارنے' کافر استعماری حکومتوں کے ساتھ جنگ کرنے اور حکمرانوں کو ٹوکنے میں کھلے انداز سے چیلنج کرتی ہے۔ اس میں نرمی برتتی ہے اور نہ سستی اور چشم پوشی سے کام لیتی ہے۔ نہ اس میں بناوٹ ہے اور نہ یہ حالات اور نتائج سے آنکھیں بند کر کے عدم ٹکراؤ کے راستہ کو اختیار کرتی ہے۔ بلکہ یہ ہر اس چیز کو چیلنج کرتی ہے' جو اسلامی احکامات کے خلاف ہو۔ یہی وجہ ہے کہ حکمرانوں نے اس کے افراد کو قید و بند' تشدد' ملک بدری' جائیداد پر قبضہ' سہولتوں سے محرومی' سفر پر پابندی اور قتل جیسی سخت تکالیف اور سزاؤں سے دوچار کیا۔ عراق' شام اور لیبیا کے ظالم حکمرانوں نے حزب کے سینکڑوں افراد کو قتل کیا۔ اسی طرح اردن' شام' عراق' مصر' لیبیا اور تیونس کی جیلیں حزب کے شباب سے بھری پڑی ہیں۔ حزب یہ سب کچھ رسول اللہ ﷺ کی اقتداء اور پیروی میں کرتی ہے۔ آپ ﷺ نے حق پر یقین رکھتے

ہوئے پوری دنیا کے سامنے اسلام کی دعوت کو ایک چیلنج کے طور پر پیش کیا۔ عادات، رسوم ورواج، ادیان، عقائد، حکمرانوں اور رعایا کا لحاظ کیے بغیر آپ ﷺ نے ہر سرخ وسیاہ کے خلاف اعلانِ جنگ کیا۔ اور آپ ﷺ نے اسلام کی دعوت کے سوا کسی چیز کی پروا نہیں کی۔ سب سے پہلے آپ ﷺ نے قریش کے سامنے ان کے معبودوں کے عیوب کو واضح کیا، ان کے نظریات کو چیلنج کیا اور انہیں حماقت پر مبنی قرار دیا۔ یہ سب کچھ آپ ﷺ نے تنِ تنہا کیا۔ آپ ﷺ کے پاس سامانِ جنگ تھا نہ کوئی مددگار، بلکہ اسلامی دعوت پر غیر متزلزل ایمان کے علاوہ آپ ﷺ کے پاس کوئی دوسرا ہتھیار نہ تھا۔

اگرچہ حزب التحریر نے بھی اپنے مشن کی وضاحت کے لیے کھلے چیلنج کا طریقہ اختیار کیا، لیکن اس نے صرف سیاسی کاموں پر اکتفاء کیا ہے۔ اور حکمرانوں یا ان لوگوں کے مقابلے میں، جو دعوت کی راہ میں رکاوٹ بنتے ہیں، مادی وسائل کا بالکل استعمال نہیں کیا۔ اور یہ بھی اس نے رسول اللہ ﷺ کی پیروی میں کیا۔ کیونکہ آپ ﷺ نے ہجرت سے پہلے مکہ میں صرف دعوت پر اکتفاء کیا، اور کسی قسم کے مادی وسائل کو بالکل استعمال نہیں کیا۔ جب بیعتِ عقبہ ثانیہ والوں نے آپ ﷺ سے اہل منیٰ کے ساتھ تلواروں کے ذریعے لڑنے کی اجازت چاہی تو آپ ﷺ نے یہ کہتے ہوئے ان کو منع فرما دیا: (لَمْ نُؤْمَرْ بِذَالِكَ بَعْدُ) ''ہمیں ابھی تک اس کی اجازت نہیں دی گئی۔'' اور اللہ تعالیٰ نے بھی آپ ﷺ کو تکلیف پر صبر کرنے کا حکم دیا۔ جیسا کہ گزشتہ رسولوں نے صبر کیا۔ ارشاد ہے:

﴿وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰى اَتَاهُمْ نَصْرُنَا﴾ (الانعام: ۳۴)

''اور یقیناً آپ (ﷺ) سے پہلے بھی رسولوں کو جھٹلایا گیا۔ پس انہوں نے اس جھٹلانے پر صبر کیا۔ اور انہیں اذیتیں بھی دی گئیں، یہاں تک کہ ان کے پاس ہماری مدد آن پہنچی۔''

حزب کا اپنے دفاع میں، یا حکمرانوں کے خلاف مادی قوت کے استعمال نہ کرنے کا جہاد کے موضوع سے کوئی تعلق نہیں۔ جہاد تو قیامت تک جاری رہے گا اور جب کافر دشمن کسی

مسلمان ملک پر حملہ کریں تو ان کا مقابلہ وہاں کے باشندوں پر فرض ہے۔ حزب کے شباب بھی اُس ملک کے مسلمانوں کا ایک حصہ ہیں۔ چنانچہ دشمن کے ساتھ لڑنا اور ان کو بھگانا اُن پر بھی فرض ہے' جس طرح کہ دوسرے مسلمانوں پر فرض ہے۔ یا یہ صورت حال بھی پیش آ سکتی ہے کہ کوئی مسلمان امیر اللہ کے دین کو بلند کرنے کے لیے جہاد کا راستہ اختیار کرے اور لوگوں سے میدانِ جنگ میں نکلنے کا مطالبہ کرے' تو حزب التحریر کے جتنے بھی جوان اُس ملک میں ہوں گے' مسلمان ہونے کے ناطے وہ اس کی صدا پر لبیک کہیں گے۔

جب حزب التحریر کے سامنے معاشرہ جامد ہو گیا کہ امت نے اس قیادت اور قائدین پر اعتماد کرنا چھوڑ دیا' اور سازشوں کی بنیاد پر بنائے گئے مشن کو کامیاب کرنے کے لیے ایسے شدید ترین حالات پیدا ہوئے' اور اس ظلم و زیادتی میں اضافہ ہوا' جو حکمران طبقہ عوام پر ڈھا رہا ہے' تو حزب نے مذکورہ دو مقاصد کے حصول کے لیے صاحبِ قدرت لوگوں سے نصرت طلب کی:

اول: تحفظ کی خاطر' تا کہ حزب اطمینان سے اپنی دعوت کو پھیلانے کا کام کرتی رہے۔
دوم: اسلام کے نفاذ اور خلافت کے قیام کی خاطر' تا کہ حکومت تک پہنچا جا سکے۔

حزب نصرت کے ان کاموں کے ساتھ ساتھ ان تمام کاموں کو بھی کرتی رہی ہے جو وہ پہلے سے جاری رکھے ہوئے ہے۔ مثلاً حلقات میں خصوصی تعلیم' اجتماعی تربیت و تعلیم کا اہتمام' امت کو اسلام پر عمل کرنے کی طرف خصوصی توجہ دلانا اور اس میں رائے عامہ ہموار کرنا۔ کافر استعماری حکومتوں کے مقابلے میں کھڑا ہو کر ان کی سازشوں اور منصوبوں سے پردہ اٹھانا' حکمرانوں کو للکارنا اور امت کے مفاد اور اس کے امور کی نگرانی کرنا وغیرہ۔ حزب یہ تمام کام اللہ تعالیٰ سے یہ امید رکھتے ہوئے باقاعدگی سے سرانجام دے رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ حزب کو اور ملتِ اسلامیہ کو کامیابی و کامرانی اور نصرت سے نوازے گا۔ اور یقیناً اس روز مؤمن اللہ کی نصرت سے خوش ہوں گے۔

۹۔ حزب التحریر کا نظریہ:

جس نظریے پر حزب التحریر قائم ہے اور جو اس کے تمام افراد میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے' اور جس کے ذریعے وہ امت کو بیدار کرنے کے لیے کام کر رہی ہے' تاکہ امت اسلام کو اپنا مسئلہ سمجھے' وہ اسلامی نظریہ ہے۔ یعنی عقیدۂ اسلام اور اس سے جو احکام وافکار نکلتے ہیں۔ حزب التحریر نے اس نظریہ کو اس قدر اختیار کیا کہ جو ایک ایسی سیاسی جماعت کی حیثیت سے اس کے لیے ضروری ہے' جو معاشرے کو اسلامی بنانے کے لیے کام کر رہی ہے۔ یعنی حکومت' تعلقات اور زندگی کے ہر پہلو میں اسلام کو نافذ کرنے کے لیے۔ اور حزب نے اپنے اختیار کردہ افکار کو تفصیل سے اپنی شائع کردہ کتب اور مطبوعات میں واضح کر دیا ہے۔ ان میں ہر حکم' ہر رائے' ہر فکر اور ہر مفہوم کے لیے تفصیلی دلائل دیے گئے ہیں۔ جن افکار' احکام اور آراء کو حزب نے اختیار کیا ہے' ان کا انتہائی اجمالی نمونہ درج ذیل ہے:

اسلامی عقیدہ:

اسلامی عقیدہ اللہ تعالیٰ' اس کی کتابوں' رسولوں' فرشتوں اور قیامت کے دن پر ایمان نیز قضاوقدر کے خیر وشر کا من جانب اللہ ہونے پر ایمان لانا ہے۔ اور ایمان تصدیقِ جازم ہے' جو دلیل کے ساتھ اور علم کے مطابق ہوتا ہے۔ اگر تصدیق بلا دلیل ہو تو وہ ایمان نہیں ہوگا' کیونکہ وہ پختہ نہیں ہوگا۔ اور تصدیق اس وقت تک جازم نہیں رہے گی' جب تک کہ وہ قطعی دلیل سے ثابت نہ ہو۔ لہٰذا ضروری ہے کہ عقیدے کی دلیل قطعی ہو۔ کیونکہ عقیدے کی دلیل کا ظنی ہونا جائز نہیں۔ عقیدہ اس بات کی گواہی دینے کو کہتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں' اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ اور گواہی اس وقت تک گواہی نہیں ہو سکتی' جب تک کہ وہ علم' یقین اور تصدیق کے ساتھ نہ ہو۔ شہادت ظن کی بنیاد پر نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ ظن علم اور یقین کا فائدہ نہیں دیتا۔ اسلامی عقیدہ ہی دراصل اسلام کی بنیاد ہے۔ یہ اسلامی عقیدہ افراد' مملکت' دستور' تمام قوانین اور اُن چیزوں کی بنیاد

ہے' جو اس سے پھوٹتی ہیں۔ اس طرح تمام اسلامی افکار' احکام اور تصورات کی بھی بنیاد ہے۔ کیونکہ جو افکار و آراء' احکام اور تصورات اس سے نکلتے ہیں' یا اس کی بنیاد پر قائم ہیں' وہ دنیوی امور اور ان کی نگرانی کے ساتھ ویسا ہی تعلق رکھتے ہیں' جیسا کہ وہ آخرت کے امور کے ساتھ متعلق ہیں۔ یہ عقیدہ درحقیقت دنیا کے معاملات کی اصلاح کی بنیاد ہے۔ اس میں خرید و فروخت' کرایہ' وکالت' کفالت' ملکیت' شادی بیاہ' شراکت اور وراثت کے احکامات ہیں۔ اور اسی طرح اس میں دنیاوی معاملات کو سنوارنے سے متعلقہ احکامات کے نفاذ کی کیفیت بھی بیان کی گئی ہے۔ مثلاً امیر جماعت بنانے سے متعلق احکامات' مصالحت اور سلامتی کے مسائل اور سزاؤں سے متعلقہ احکامات وغیرہ۔ یہ معلوم ہوا کہ یہی معاملات کو سنوارنے کا عقیدہ ہے۔ اور یہ سیاسی عقیدہ ہے' جو دعوت کو پھیلانے' اس کی حفاظت کرنے' حکومت میں اسے قائم کرنے' حکومت کی طرف سے اس کی حمایت' اس کے نفاذ اور اس کے قیام و بقا' اور اگر حکمران اس کے نفاذ میں کوتاہی کریں' تو ان کا محاسبہ کرنے اور اسلام کا پیغام دنیا بھر میں پہنچانے جیسے کاموں سے جدا نہیں ہو سکتا۔

یہ عقیدہ تقاضا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی عبادت کے لائق ہیں اور عاجزی و انکساری صرف اسی کے سامنے ہونی چاہیے۔ اس کے علاوہ کوئی بھی مخلوق' چاہے وہ بت ہو' مورتیاں ہوں' یا خواہشات و شہوات ہوں' عبادت اور تابعداری کے لائق نہیں۔ وہی ذات تنہا عبادت کے لائق اور خالق ہے۔ وہی حاکم' صاحبِ اختیار' شارع' ہدایت دینے والا' رزق دینے والا' زندہ کرنے والا' موت دینے والا اور مدد کرنے والا ہے۔ وہی ہے جس کے ہاتھ میں بادشاہی ہے' اور وہی ہے جو ہر چیز پر قادر ہے۔ اس کی مخلوقات میں سے کوئی اس کام میں اس کا شریک نہیں۔

اس عقیدے کا یہ تقاضا ہے کہ محمد ﷺ ہی تمام مخلوقات میں سے قابلِ تقلید اور قابلِ اقتداء ہیں۔ آپ ﷺ کے علاوہ کوئی بھی پیروی کے قابل نہیں۔ آپ کے علاوہ کسی سے دین نہیں لیا جائے گا۔ آپ ﷺ ہی اپنے رب کی شریعت کو پہنچانے والے ہیں۔ چنانچہ آپ کے علاوہ کسی انسان' کسی دین یا مبدأ یا کسی قانون ساز سے دین اخذ کرنا جائز نہیں۔ بلکہ صرف اور صرف آپ ﷺ ہی قابل اتباع اور واجب اقتداء ہیں:

﴿ وَمَااٰتَاکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهَاکُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ (الحشر:۷)

''اور رسول تمہیں جس چیز کا بھی حکم دیں اسے اختیار کرلو۔ اور جس چیز سے منع کر دیں' اس سے رک جاؤ۔''

﴿وَمَا کَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَی اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَمْرًا اَنْ یَّکُوْنَ لَهُمُ الْخِیَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ﴾ (الاحزاب:۳۶)

''اللہ اور اس کا رسول جب کوئی فیصلہ کریں تو کسی مومن مرد یا عورت کے لیے اس فیصلہ میں کوئی اختیار نہیں۔''

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْكَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ﴾

''(اے محمد ﷺ) تمہارے رب کی قسم! یہ اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتے جب تک کہ یہ آپ کو اپنے اختلافات میں فیصلہ کرنے والا نہ بنالیں۔'' (النساء:۶۵)

﴿فَلْیَحْذَرِ الَّذِیْنَ یُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖ اَنْ تُصِیْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ یُصِیْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ﴾ (النور:۶۳)

''جو اس (محمد ﷺ) کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں انہیں اس بات سے ڈرنا چاہیے کہ وہ کسی فتنہ یا دردناک عذاب میں مبتلا نہ ہو جائیں۔''

اور یہ عقیدہ اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اسلام کو ایک ہی دفعہ مکمل طور پر نافذ کیا جائے۔ جس طرح اس کو بتدریج نافذ کرنا حرام ہے' اسی طرح اس کے ایک جزو کو نافذ کر کے دوسرے جزو کو معطل چھوڑ دینا بھی حرام ہے۔ اور مسلمان اس آیت کے نزول کے بعد اس پورے دین کو نافذ کرنے کے پابند ہیں' جو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ پر نازل فرمایا۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا﴾ (المائدۃ:۳)

''آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت مکمل کر دی۔ اور تمہارے لیے صرف اسلام کو بطورِ دین پسند کیا۔''

اوراحکامات کے درمیان کسی قسم کی تفریق نہیں کی جاسکتی۔نفاذ کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے تمام احکامات برابر ہیں۔ چنانچہ صدیق اکبرؓ اور صحابہؓ نے منکرینِ زکوٰۃ کے ساتھ جنگ کی۔ انہوں نے صرف ایک حکم کا انکار کیا تھا۔اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو دنیا کی رسوائی اور آخرت کے عذاب سے ڈراتے ہیں' جو احکامات کے درمیان فرق کرتے ہیں' اور صرف بعض کو مانتے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اَفَتُؤمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذَالِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰى اَشَدِّ الْعَذَابِ﴾

''کیا تم کتاب کے کچھ حصے پر ایمان رکھتے ہو اور کچھ حصے کا انکار کرتے ہو؟ اور جو شخص ایسا کرے گا تو دنیا میں اس کے لیے رسوائی ہے اور آخرت کے دن ان لوگوں کو سخت ترین عذاب کی طرف لوٹایا جائے گا۔'' (البقرۃ:۸۵)

حزب التحریر نے عقیدہ کے افکار اور اس سے متعلقہ موضوع پر بھی بحث کی ہے۔مثلاً اللہ تعالیٰ کے وجود کا ثبوت' انبیاء کی ضرورت کا ثبوت اور اس بات کا ثبوت کہ قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا' اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ان موضوعات کو قرآن وحدیث متواتر' نقلی اور عقلی دلائل سے ثابت کیا گیا ہے۔اور اسی طرح قضاوقدر' رزق' موت' توکل علی اللہ' ہدایت اور گمراہی جیسے موضوعات کے بارے میں بھی بحث کی ہے۔

قواعد شرعیہ:

تمام کاموں میں اصل قاعدہ یہ ہے کہ شرعی حکم پر پابند رہا جائے۔اس وقت تک کوئی عمل نہ کیا جائے' جب تک کہ اس کا حکم معلوم نہ کر لیا جائے۔اور اسی طرح تمام اشیاء میں اصل اباحت (حلت) ہے' جب تک کہ اس کی حرمت کی کوئی دلیل نہ ہو۔

ہر مسلمان اس بات کا پابند ہے کہ وہ اپنے تمام اعمال کو شرعی احکامات کے مطابق سرانجام دے۔فرمانِ الٰہی ہے:

﴿فَلاوَ رَبِّکَ لَا یُؤمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ﴾

"(اے محمد ﷺ) تمہارے رب کی قسم! یہ اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتے جب تک کہ یہ آپ کو اپنے اختلافات میں فیصلہ کرنے والا نہ بنالیں۔" (النساء: ٦٥)

اور فرمایا:

﴿وَمَااٰتاکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَانَهَاکُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ (الحشر: ۷)

"اور رسول تمہیں جس چیز کا بھی حکم دیں اسے اختیار کرلو۔ اور جس چیز سے منع کر دیں، اس سے رک جاؤ۔"

مسلمان کے لیے بنیادی چیز یہ ہے کہ وہ اپنے تمام افعال میں شرعی احکامات کی پابندی کرے۔ اور حکم بندوں کے افعال سے متعلق شارع کا خطاب ہے۔ پس جس چیز کے بارے میں شارع کا خطاب نہ ہو، تو وہ حکمِ شرعی نہیں۔ اس دنیا کی ہر چیز اور ہر کام کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے حکم بیان کیا ہے۔ جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:

﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا﴾ (المائدة: ۳)

"آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت مکمل کر دی۔ اور تمہارے لیے صرف اسلام کو بطورِ دین پسند کیا۔"

اور فرمایا:

﴿وَنَزَّلْنَا عَلَیْکَ الْکِتَابَ تِبْیَانًا لِّکُلِّ شَیْءٍ﴾ (النحل: ۸۹)

"اور ہم نے آپ پر ایسی کتاب نازل کی، جو ہر چیز کو کھول کھول کر بیان کرتی ہے۔"

شارع کا عام خطاب چیزوں کی اباحت کے بارے میں ہے۔ پس اباحت ایک حکمِ شرعی ہے۔ کیونکہ اباحت سے مراد شارع کا انسان کو کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا اختیار دینا ہے۔ ارشاد ہے:

﴿هُوَالَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّافِیْ الارْضِ جَمِیْعًا﴾ (البقرة: ۲۹)

''اللہ تعالیٰ ہی وہ ذات ہے جس نے زمین میں جو کچھ ہے' وہ سب تمہارے لیے پیدا کیا۔''

اور فرمایا:

﴿وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا﴾ (الجاثیہ:۱۳)

''اور زمین و آسمان میں جو کچھ ہے' اس سب کو اس نے تمہارے تابع کر دیا ہے۔''

یہ تمام اشیاء' جو زمین و آسمان میں ہیں' اور جن کو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے پیدا فرمایا اور ہمارے تابع کر دیا' یہ سب ہمارے لیے مباح ہیں۔ چنانچہ یہاں کسی خاص دلیل کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ یہ عام دلیل کے تحت آ جاتی ہیں' جو اباحت (جواز) ہے:

﴿كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا﴾ (البقرۃ:۱۶۸)

''زمین میں جو حلال اور پاکیزہ چیزیں ہیں' ان میں سے کھاؤ۔''

یہ کہ ہر چیز کو کھانا حلال ہے' کسی دلیل کا محتاج نہیں۔ کیونکہ دلیل عام ہے' جو اباحت (جواز) کے لیے ہے۔ البتہ کسی چیز کو کھانے کی حرمت کے لیے ایسی دلیل کی ضرورت ہے جو اسے حرام قرار دے' اور جواز کی عام دلیل سے اسے مستثنیٰ قرار دے۔ جیسا کہ مردار' خنزیر' گر کر مرنے والے جانور' درندے اور شراب پینا یہ سب خاص دلیل کی وجہ سے حرام ہیں۔ چنانچہ:

قاعدہ نمبر۱: مَا لَا يَتِمُّ الْوَاجِبُ اِلَّا بِهٖ فَهُوَ وَاجِبٌ

جس چیز کے بغیر کوئی فرض ادا نہیں ہوتا۔ وہ بھی فرض ہے۔

قاعدہ نمبر۲: اِسْتِصْحَابُ الْاَصْلِ

اصل کی مطابقت کرنا

قاعدہ نمبر۳: اَنَّ الْخَيْرَ مَا اَرْضَى اللّٰهَ وَاَنَّ الشَّرَّ مَا اَسْخَطَهُ

خیر وہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہو' اور شر وہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو۔

قاعدہ نمبر۴: اَنَّ الْحَسَنَ مَاحَسَّنَهُ الشَّرْعُ ‘وَاَنَّ الْقَبِیْحَ مَاقَبَّحَهُ الشَّرْعُ
اچھا وہ ہے جسے شریعت اچھا قرار دے‘ اور برا وہ ہے جسے شریعت برا قرار دے۔

قاعدہ نمبر۵: اَنَّ الْعِبَادَاتِ وَالْمَطْعُوْمَاتِ وَالْمَلْبُوْسَاتِ وَالْمَشْرُوْبَات وَالْاَخْلَاقِ لَاتُعَلَّلُ وَیُلْتَزَمُ فِیْهَا بِالنَّصِّ)
عبادات‘ کھانے‘ پینے‘ پہننے کی چیزوں اور اخلاقیات میں نص کی پابندی کی جائے گی۔ ان کی تعلیل (علت تلاش) نہیں کی جائے گی۔

شرعی تعریفیں:

جیسا کہ حکمِ شرعی کی تعریف ہے کہ: ’’وہ بندوں کے افعال سے متعلق شارع کا خطاب ہے۔‘‘ اور فرض کی تعریف یہ ہے کہ: ’’وہ جسے کرنے کا مطالبہ طلب جازم (حتمی طور پر) ساتھ ہو۔ یا جس کے کرنے پر ثواب اور نہ کرنے پر سزا ملے۔‘‘ اسی طرح حرام وہ ہے: ’’جس سے حتمی طور پر منع کیا گیا ہو یا جس کے کرنے پر سزا ہو۔‘‘

غیر شرعی تعریفیں:

مثال کے طور پر فکر و عقل اور عملی طریقہ کی تعریف‘ یا معاشرے کی تعریف وغیرہ۔ یہ واقعاتی اشیاء کی تعریفیں ہیں۔ پس فکر و عقل اور ادراک کے ایک ہی معنی ہیں‘ یعنی کسی حقیقت کو سابقہ معلومات کے ساتھ‘ احساس کے واسطے سے‘ دماغ کی طرف منتقل کرنا‘ تاکہ وہ ان کے ذریعے حقیقت کی وضاحت کرے۔ کسی فکر کے پائے جانے کے لیے ان چار اشیاء کا بیک وقت پایا جانا ضروری ہے۔ حقیقت کا وجود‘ درست دماغ کا وجود‘ احساس کا وجود اور سابقہ معلومات کا وجود۔ پس کسی بھی فکر‘ عقل یا ادراک کے لیے ان چاروں اشیاء کا بیک وقت پایا جانا لازمی ہے۔

عقلی طریقہ کار:

یہ اشیاء کو جاننے کے لیے اختیار کیا جانے والا ایک طریقہ کار ہے' جسے عقل افکار تک پہنچنے کے لیے اختیار کرتی ہے۔یعنی یہ اُس کیفیت کا نام ہے جس کے ذریعے عقل افکار کو جنم دیتی ہے۔جس چیز کے بارے میں تحقیق کی جارہی ہو'اس کی حقیقت تک پہنچنے کے لیے یہ سوچ بچار اور عقلی طور پر غور کرنے کا طریقہ ہے۔اس کا ایک مخصوص طریقۂ کار ہے' جس کے ذریعے اس چیز کی حقیقت کو سابقہ معلومات کے واسطے سے دماغ تک منتقل کیا جاتا ہے' جو اس حقیقت کی وضاحت کرتے ہوئے اس کے بارے میں اپنا فیصلہ صادر کرتا ہے۔اور یہی فیصلہ فکر یا عقلی ادراک کہلاتا ہے۔یہ طریقہ محسوس مواد کی بحث کا ہے۔مثلاً فقہ اور ادب وغیرہ۔یہی طریقۂ کار کسی چیز کی گہرائی تک پہنچنے کے لیے طبعی اور اصلی طریقہ ہے۔اور اس پر چلنے سے ہی تمام اشیاء کی حقیقت کو معلوم کیا جاسکتا ہے۔صرف اسی راستے پر چل کر انسان بحیثیتِ انسان اس چیز کی حقیقت کو پا سکتا ہے' جسے وہ معلوم کرنا چاہتا ہو۔

علمی طریقہ کار:

جس چیز کے بارے میں تحقیق کی جارہی ہو'اس کی حقیقت کو معلوم کرنے کے لیے جستجو کا یہ وہ طریقۂ کار ہے' جس میں اس چیز کے بارے میں تجربات کیے جاتے ہیں۔اور یہ تحقیق صرف محسوس مواد ہی کے بارے میں ہوسکتی ہے یہ طریقۂ کار افکار کے بارے میں اختیار نہیں کیا جاسکتا۔یہ صرف تجرباتی علوم کے ساتھ خاص ہے۔اور یہ یوں ہوگا کہ اس مادے کو اس کے اصلی حالات یا اسباب کے علاوہ دیگر حالات اور اسباب کے تابع کیا جائے۔اور دوسرے حالات کو ملاحظہ کیا جائے۔پھر مادے پر کی جانے والی اس کارروائی سے وہ حقیقت معلوم کی جائے' جسے محسوس بھی کیا جاسکتا ہے۔چنانچہ لیبارٹریوں میں ایسا ہی ہوتا ہے۔علمی طریقے سے تحقیق کرنے والا جس نتیجے پر پہنچتا ہے' وہ قطعی نہیں ہوتا بلکہ وہ مشتبہ ہوتا ہے۔اس میں غلطی ہوسکتی ہے اور علمی طریقے میں غلطی کا ہونا ان طے شدہ بنیادوں میں سے ایک بنیاد ہے' جو علمی بحث میں تسلیم کی جاتی ہیں۔اور

یہ طریقہ عقلی طریقہ کا ایک جزو ہے' نہ کہ یہ فکری بنیاد ہے۔ کیونکہ اسے بنیاد نہیں بنایا جا سکتا اور یہ ایسی بنیاد فراہم نہیں کرتا کہ جس پر تعمیر کی جائے۔ اگر یہ اصل قرار دیا جائے تو اس سے کئی معارف اور حقائق بحث کے دائرے سے نکل جاتے ہیں۔ اسی طرح اس کے نتیجے میں ایسے کئی طے شدہ حقائق کی نفی لازمی آتی ہے جو عملاً موجود ہیں اور جنہیں محسوس کیا جا سکتا ہے۔

معاشرہ:

یہ لوگوں کا ایک ایسا مجموعہ ہے جس کو ایک جیسے افکار' احساسات اور نظام مربوط کرتے ہیں۔ یہ افراد کا ایسا مجموعہ ہے جن میں باہم تعلقات ہوتے ہیں۔ یہ محض لوگوں کا مجموعہ نہیں' کیونکہ صرف مجموعہ تو جماعت بھی ہو سکتی ہے' معاشرہ نہیں ہو سکتا۔ جو چیز معاشرے کو اکٹھا کر سکتی ہے' وہ تعلقات ہیں۔ دوسرے الفاظ میں معاشرہ افراد' افکار' احساسات اور نظاموں کا مجموعہ ہوتا ہے۔ اور معاشرے کی اصلاح اس کے افکار' احساسات اور اس میں رائج نظاموں کی اصلاح سے ہو سکتی ہے۔ اسی طرح تعلقات کی اصلاح کے ذرائع بھی مختلف ہیں۔ اور اسی بناء پر معاشرے بھی مختلف ہیں۔ مثلاً اسلامی معاشرہ' اشتراکی معاشرہ اور سرمایہ دارانہ معاشرہ وغیرہ۔

دنیا میں موجود نظریات:

دنیا میں تین نظریات موجود ہیں: اسلام' سرمایہ دارانہ جمہوریت اور اشتراکیت

سرمایہ دارانہ جمہوریت:

یہ مغربی ممالک اور امریکہ کا نظریہ ہے' اور یہ نظریہ دین کو حکومت اور زندگی سے جدا رکھنے کے اصول پر قائم ہے:

دَعْ مَا لِقَيْصَرٍ لِقَيْصَرٍ وَمَا لِلّٰهِ لِلّٰهِ

''قیصر کے پاس جو کچھ ہے' وہ اسی کے پاس رہنے دو۔ اور جو اللہ کے لیے ہے' وہ اس

کے لیے رہنے دو۔''

اس لیے اس نظریہ میں زندگی کے نظاموں کو انسان خود وضع کرتا ہے۔ یہ نظریہ کفر ہے اور اسلام کے بالکل خلاف ہے۔ کیونکہ شارع اللہ تعالیٰ ہی ہے اور وہی اکیلا ہے' جس نے انسانیت کے لیے نظام وضع کیا۔ حکومت کو اسلامی احکامات کا حصہ بنایا اور یہ لازم کیا کہ زندگی کے تمام امور کو شریعت کے احکامات کے مطابق سنوارا جائے۔ اسی لیے مسلمانوں پر حرام ہے کہ وہ سرمایہ دارانہ جمہوریت کو اپنائیں یا اس کے افکار وقوانین کو اختیار کریں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ نظریہ کفر ہے اور اس کے قوانین بھی کفریہ ہیں' جو اسلام سے متصادم ہیں۔

آزادی کے بارے میں اسلام کا نقطہ نظر:

سرمایہ دارانہ نظام کے افکار کی بنیاد یہ ہے کہ انسان کی آزادیوں کی حفاظت کی جائے۔ اور یہ آزادیاں' عقیدے کی آزادی' رائے کی آزادی' ملکیت کی آزادی اور شخصی آزادی پر مشتمل ہیں۔ ملکیت کی آزادی کے نتیجے میں سرمایہ دارانہ اقتصادی نظام' جو خالصتاً منفعت اور ذخیرہ اندوزی پر مبنی ہے' وجود میں آتا ہے۔ اس کے ذریعے کافر مغربی ممالک نے عوام کو مغلوب کرنے اور ان کی دولت کو لوٹنے کا بازار گرم کر رکھا ہے۔

یہ چاروں آزادیاں اسلام سے متصادم ہیں۔ کیونکہ ایک مسلمان عقیدے کے لحاظ سے آزاد نہیں۔ چنانچہ جب وہ مرتد ہو جائے تو اس کو قید کیا جائے گا۔ اگر توبہ نہ کرے تو پھر اس کو قتل کر دیا جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(مَنْ بَدَّلَ دِيْنَهُ فَاقْتُلُوْهُ)

''جو اپنا دین تبدیل کرے' اسے قتل کر دو۔''

اسی طرح مسلمان کو رائے کی آزادی بھی حاصل نہیں' بلکہ اسلامی رائے ہی اس کی رائے ہوگی' اور کسی مسلمان کے لیے غیر اسلامی رائے رکھنا جائز نہیں۔ مسلمان ملکیت میں بھی آزاد نہیں' وہ صرف شرعی سبب ہی سے کسی چیز کا مالک ہو سکتا ہے۔ لہٰذا وہ از خود جس چیز کا چاہے' مالک

نہیں بن سکتا۔ بلکہ وہ خاص اسباب ہی سے مالک ہونے کا پابند ہے۔ان اسباب کے علاوہ کسی اور طریقے سے وہ مالک نہیں بن سکتا' یا کسی بھی غیر شرعی اور ممنوعہ طریقے سے وہ کسی چیز کا مالک ہرگز نہیں ہوسکتا۔

شخصی آزادی کا بھی اسلام میں کوئی وجود نہیں۔کوئی بھی مسلمان شخصی طور پر آزاد نہیں' بلکہ وہ شرع کا پابند ہے۔لہٰذا اگر کوئی نماز نہ پڑھے یا روزہ نہ رکھے' یا نشہ کرے' یا زنا کا ارتکاب کرے تو اسے سزا دی جائے گی۔اسی طرح عورت بغیر پردے کے باہر نکلے' تو سزا ہوگی۔چنانچہ مغرب کے سرمایہ دارانہ نظام میں موجود آزادیوں کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں۔یہ مکمل طور پر اسلام سے متصادم ہیں۔

سرمایہ دارانہ مبدأ کے نمایاں ترین افکار میں ایک جمہوریت ہے۔اس کے متعلق وضاحت درجِ ذیل ہے۔

جمہوریت کے بارے میں اسلام کی رائے:

جمہوریت عوام کے ذریعے عوام پر عوام کی حکومت کا نام ہے۔جمہوری نظام کی بنیاد یہ ہے کہ عوام ہی کے پاس اختیار اور قیادت ہو' اور احکامات کو نافذ کرنے کی قوت بھی ہو' اور وہی اپنے ارادوں کو پورا کریں۔کیونکہ وہی خود اپنے سربراہ ہیں' لہٰذا ان کا کوئی دوسرا سربراہ نہیں ہے۔چنانچہ قانون ساز بھی وہی ہیں' جو قانون بنانا چاہیں' بنائیں اور جس قانون کو ختم کرنا چاہیں' ختم کردیں۔اگر وہ خود یہ کام نہیں کرسکتے تو وہ اپنے نمائندے چنیں گے جو قانون نافذ کرنے کا حق رکھتے ہوں گے تاکہ وہ ان کی نمائندگی کریں۔چونکہ یہ بہت مشکل تھا کہ سارے کے سارے عوام خود حکومت کریں' لہٰذا عوام اپنے تجویز کردہ قوانین کے نفاذ کے لیے اپنے نمائندوں کا انتخاب کرتے ہیں۔چنانچہ مغربی سرمایہ دارانہ نظام میں عوام ہی طاقت کا سرچشمہ ہیں۔پس عوام ہی حکمران اور وہی قانون ساز ہیں۔جمہوریت کا یہ نظام کفر ہے' کیونکہ یہ انسان کا وضع کردہ ہے' شریعت کا حکم نہیں۔لہٰذا اس نظام کے ذریعے حکومت کرنا کفر کے ساتھ حکومت کرنا ہے' اور اسی طرح اس کی طرف

دعوت دینا کافرانہ نظام کی طرف دعوت دینا ہے۔ چنانچہ اس کی طرف دعوت دینا' یا کسی بھی حالت میں اسے اختیار کرنا جائز نہیں۔

یہ جمہوری نظام اسلامی احکامات کے خلاف ہے' اور مسلمان اپنے تمام اعمال میں اللہ کے احکامات کی پابندی کرنے کے ذمہ دار ہیں۔ مسلمان اللہ کا بندہ ہے' چنانچہ اس کے ارادے بھی اللہ کے احکام کے تابع ہونے چاہییں۔ امت کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے ارادوں کو اپنی خواہشات کے تابع کرے۔ کیونکہ انہیں حاکمیت حاصل نہیں۔ حاکمیت تو شریعت کو حاصل ہے' جو اس کے ارادوں کی بھی مالک ہے۔ لہٰذا امت کو قانون سازی کا کوئی حق نہیں۔ قانون ساز صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اگر پوری امت بھی جمع ہو کر اللہ کے کسی حرام کیے ہوئے کو حلال کرنا چاہے' تو نہیں کر سکتی۔ مثلاً سود حرام ہے' ذخیرہ اندوزی یا زنا کاری یا شراب خوری وغیرہ میں سے کسی کو پوری امت بھی قانون سازی کے ذریعے حلال نہیں کر سکتی۔ ان احکامات کے مقابلے میں پوری امت کے اجماع کی بھی کوئی قدر و قیمت نہیں۔ پھر بھی اگر کوئی اصرار کرے تو اس سے قتال کیا جائے گا۔ البتہ اللہ تعالیٰ نے اختیار اور خدائی قانون کو نافذ کرنے کا حق امت کو تفویض کیا ہے۔ امت کو اپنے حاکم کے انتخاب اور اس کے تقرر کا حق حاصل ہے۔ تاکہ وہ اس کی نمائندگی کرتے ہوئے احکامات کو نافذ کرے۔ اور حاکم کے تقرر کا طریقہ بھی اللہ تعالیٰ نے بیعت کی صورت میں بتا دیا ہے' اور اسی سے حاکمیت اور اختیار کا فرق بھی معلوم ہوتا ہے۔ حاکمیت شرع کو حاصل ہے اور اختیار امت کو۔

کمیونزم:

کمیونزم ایک مادی مبدأ ہے' جو مادے کے علاوہ ہر چیز کے انکار کی بنیاد پر قائم ہے۔ اس کا دعویٰ ہے کہ مادہ ہی ازلی ہے۔ اس کا کوئی اول و آخر نہیں۔ یہ کسی خالق کی مخلوق بھی نہیں' اور خالق کا بھی کوئی وجود نہیں۔ اسی طرح قیامت کے دن کا بھی کوئی وجود نہیں۔ وہ دین کو عوام اور اقوام کے لیے ایک افیون قرار دیتے ہیں۔

یہ ایک مادی مبدأ ہے' جو مادی اور تاریخی ترقی کے نظریے پر قائم ہے۔ چنانچہ مادہ ہی

اشیاء کی بنیاد ہے اور اشیاء کا صدور مادے ہی کا مرہون منت ہے۔ اور ترقی کے طریقے مادے سے پیدا ہوتے ہیں۔ اس میں نظام آلاتِ پیداوار سے اخذ کیا جاتا ہے اور نظام آلاتِ پیداوار کی ترقی سے ترقی کرتا ہے۔ اس میں معاشرہ ایک عوامی مجموعہ ہے' جو زمین' ذرائع پیداوار' طبیعۃ (فطرت) اور انسان پر مشتمل ہے۔ یہ سب شئ واحد ہیں اور یہ شئ واحد ایک مادہ ہے۔ جب طبیعۃ اور جو کچھ اس میں ہے' ترقی کرتا ہے' تو اس کے ساتھ انسان بھی ترقی کرتا ہے اور پھر پورا معاشرہ ترقی کرتا ہے۔ اس وجہ سے اس (مبدأ) میں معاشرہ ترقی کے سامنے سرنگوں ہے۔ جب معاشرہ ترقی کرتا ہے' تو فرد بھی اس کے ساتھ ترقی کرتا ہے۔ چنانچہ وہ (فرد) اس (معاشرے) کے گرد اس طرح گھومتا ہے جس طرح پہیہ گراری کے گرد۔ کمیونزم ذرائع پیداوار کی انفرادی ملکیت سے بھی روکتا ہے اور ان کو مملکت کی ملکیت قرار دیتا ہے۔

کمیونزم ایک کفریہ مبدأ ہے۔ اس کے افکار کفریہ ہیں' اس کا نظام کفر ہے اور وہ اسلام کے ساتھ کلی اور جزوی ہر لحاظ سے متناقض ہے۔ کیونکہ اسلام نے کہا اور اس کو ثابت کیا کہ مادہ مخلوق ہے' ازلی نہیں' اور وہ فانی ہے۔ انسان اور کائنات' اور جو کچھ اس میں ہے' وہ سب ایک خالق کی مخلوق ہیں۔ اور نظام اللہ ہی کی طرف سے ہوگا' نہ کہ مادے کی ترقی یا ذرائع پیداوار یا کسی انسان کی طرف سے۔ اور معاشرہ انسان' افکار' احساسات اور نظاموں کا مجموعہ ہے۔ معاشرے کی شناخت وہاں کے رائج نظام سے ہوتی ہے۔ چنانچہ جس معاشرے میں اسلامی نظام نافذ ہوگا' وہ معاشرہ اسلامی کہلائے گا' چاہے وہاں پر موجود ذرائع پیداوار کی نوعیت کچھ بھی ہو۔ اور جس معاشرے میں سرمایہ دارانہ نظام نافذ اور رائج ہوگا' اس کو سرمایہ دارانہ معاشرہ کہا جائے گا۔ اور جس معاشرے میں کمیونزم کا نظام نافذ ہوگا' وہ کمیونسٹ معاشرہ کہلائے گا۔ باوجود یکہ اس میں جو ذرائع پیداوار ہیں' سرمایہ دارانہ معاشرے میں بھی بعینہ وہی ذرائع پیداوار ہیں۔

تہذیب وتمدن:

تہذیب زندگی کے بارے میں تصورات کے مجموعے کو کہتے ہیں' اور تمدن یا مدنیت ان

محسوس مادی اشکال کو کہا جاتا ہے، جو زندگی کے مختلف پہلوؤں میں مستعمل ہوتے ہیں۔ تہذیب زندگی کے بارے میں ایک خاص نظریئے کی حامل ہوتی ہے۔ چنانچہ اسلامی تہذیب مغربی اور کمیونسٹ تہذیب سے بالکل مختلف ہے۔ کیونکہ ان تہذیبوں میں سے ہر ایک کا ایک خاص نقطۂ نظر ہے، جو دوسری تہذیبوں سے یکسر مختلف ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کے لیے مغربی تہذیب یا کمیونسٹ تہذیب سے کچھ لینا ہرگز جائز نہیں۔ کیونکہ یہ دونوں اسلام سے متناقض ہیں۔ اور جہاں تک تمدن (شہریت) کی بات ہے، تو یہ تہذیب کا نتیجہ ہے۔ جیسا کہ اُن چیزوں کی تصاویر اور مجسمے، جن میں روح ہوتی ہے۔ اسلامی تہذیب میں مجسمہ سازی اور ذی روح چیزوں کی تصویر سازی حرام ہے۔ جبکہ مغربی اور کمیونسٹ تہذیب میں یہ چیزیں مباح ہیں۔ جب تمدن علمی اور صنعتی ترقی کا نتیجہ ہو، جیسا کہ ذرائع مواصلات، جہاز، کشتیاں، گاڑیاں، زرعی اور صنعتی پیداوار کے آلات، جنگ کے جدید آلات اور اسی طرح دوسری انسانی ایجادات اور دریافتیں، جو علمی ترقی کے سبب ہوئیں۔ اسی طرح صنعتی ترقی کی وجہ سے جو ایجادات ہوئیں، مثلاً مشینی دماغ (کمپیوٹر) وغیرہ۔ تو یہ سب چیزیں عالمی چیزیں ہیں۔ یہ تمام عالم کے لیے ہیں اور کسی تہذیب کے ساتھ خاص نہیں، یا ان پر کسی خاص امت یا دین کی اجارہ داری نہیں۔ بلکہ یہ تمام انسانوں کے لیے ہیں۔ کیونکہ ان کا تہذیب اور زندگی کے بارے میں نقطۂ نظر سے کوئی تعلق نہیں۔ لہٰذا ان کو حاصل کرنا جائز ہے۔ کیونکہ یہ اسلامی احکامات کے منافی نہیں۔ بلکہ ان کا حصول فرضِ کفایہ ہے۔

اسلام میں نظام حکمرانی کے احکامات:

اسلامی حکومت:

اسلام نے یہ کہہ کر اسلامی حکومت کی حدود متعین کر دیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکامات کے مطابق ہوگی۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا اَنزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهوَاءَ هُم وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفتِنُوكَ عَن بَّعْضِ مَا اَنزَلَ اللّٰهُ اِلَيكَ﴾ (المائدة: ۴۹)

''اور یہ کہ (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان کے درمیان اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ (احکامات) کے مطابق فیصلہ کریں' اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں۔ اور ان سے محتاط رہیں کہ کہیں یہ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ (بعض احکامات) کے بارے میں آپ کو فتنے میں نہ ڈال دیں۔''

اور فرمایا:

﴿فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا اَنزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهوَاءَ هُم عَمَّا جَآءَ كَ مِنَ الحَقِّ﴾ (المائدة: ۴۸)

''پس ان کے درمیان اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ (احکامات) کے مطابق فیصلہ کریں' اور جو حق آپ کے پاس آیا ہے' اس کے مقابلے میں ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں۔''

پس ہر حکومت اللہ تعالیٰ کے ان نازل کردہ احکامات کے مطابق فیصلے کرنے کی پابند ہے' یعنی کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کے مطابق۔ یہی اسلامی شرعی حکومت ہے' یعنی یہی اسلامی شرعی اقتدار ہے۔

اسلام میں نظامِ حکومت کی تشکیل:

اسلام نے نظامِ حکومت کے لیے خلافت کو متعیّن کر دیا اور صرف اسی کو مملکت کے لیے نظامِ حکومت قرار دے دیا۔ مسلمؒ نے ابو حازمؒ سے روایت کی ہے انہوں نے کہا: ''میں نے ابو ہریرۃ کے پاس پانچ سال گزارے اور ان کو سنا' وہ نبی ﷺ سے یہ حدیث بیان کرتے تھے:

(كَانَتْ بَنُوْ اِسرَائِيلَ تَسُوسُهُمُ الاَنبِيَاءُ ' كُلَّمَا هَلَكَ نَبِيٌّ خَلَفَهُ نَبِيٌّ ' وَاِنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعدِى ' وَسَتَكُونُ خُلَفَاءُ فَتَكثُر)

''بنی اسرائیل کی سیاست انبیاء کرتے تھے۔ جب کوئی نبی وفات پاتا تو دوسرا نبی اس کی جگہ لے لیتا' جبکہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے' بلکہ بڑی کثرت سے خلفاء ہوں گے۔''

اس معاملے میں یہ حدیث واضح ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد اسلامی نظامِ حکومت خلافت کی شکل میں ہوگا۔ اس کے علاوہ اس کی تائید میں کئی اور احادیث ہیں' جن سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اسلام میں نظامِ حکومت صرف خلافت ہے۔ جیسا کہ یہ حدیث: (سَيَكُوْنُ بَعْدِىْ أَئِمَّةٌ) ''میرے بعد آئمہ ہوں گے'' اور یہ حدیث: (اِذَا بُوْيِعَ لِلْخَلِيْفَتَيْن) ''جب دو خلفاء کے لیے بیعت کی جائے'' وغیرہ۔ بلکہ کئی احادیث ایسی ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اسلام کا نظامِ حکومت صرف خلافت ہی ہے۔

خلیفہ کے تقرر کا طریقہ:

اسلام نے خلیفہ کے تقرر کا طریقہ متعیّن کر دیا ہے جو بیعت ہے۔ نافعؒ ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے عمرؓ کو سنا' وہ کہہ رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(وَمَنْ مَاتَ وَلَيْسَ فِىْ عُنُقِهٖ بَيْعَةٌ ' مَاتَ مِيْتَةً جَاهِلِيَّةً)

''اور جو کوئی اس حال میں مرا کہ اس کی گردن میں (خلیفہ کی) بیعت (کا طوق) نہ ہو تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔''

اور عبادۃؓ بن الصامت فرماتے ہیں کہ:

(بَايَعْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ ' فِى الْمَنْشَطِ وَالْمَكْرَهِ '

وَاَنْ لَّا نُنَازِعَ الْاَمْرَ اَهْلَهُ وَاَنْ نَّقُوْمَ اَوْ نَقُوْلَ بِالْحَقِّ حَيْثُمَا كُنَّا لَانَخَافُ فِی اللّٰهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ)

''ہم نے رسول اللہ ﷺ سے پسند اور ناپسند (دونوں حالتوں میں) سننے اور اطاعت کرنے پر بیعت کی۔ اور اس بات پر کہ ہم اولوالامر کے ساتھ نزاع نہیں کریں گے۔ اور ہم حق کے لیے اٹھ کھڑے ہوں گے' یا حق بات کہہ دیں گے جس حالت میں بھی ہوں گے۔ اور اللہ کے معاملے میں کسی بھی ملامت گر کی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔''

ایک اور حدیث میں ہے:

(اِذَا بُوْيِعَ لِلْخَلِيْفَتَيْنِ' فَاقْتُلُوا الْاٰخَرَ مِنْهُمَا)

''جب دو خلفاء کے لیے بیعت کی جائے تو ان میں سے دوسرے کو قتل کر دو۔''

یہ تمام احادیث اس بات پر واضح دلالت کرتی ہیں کہ خلیفہ کو منصب پر فائز کرنے کا طریقہ بیعت ہے اور اجماع صحابہؓ بھی اسی پر ہے۔ اس لیے جو بھی حکومت یا اقتدار خلافت کے نظام پر قائم ہو' اس میں خلیفہ کا تقرر بیعت کے ذریعے ہوا ہو' اور حکومت اللہ کے نازل کردہ احکامات یعنی کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کے مطابق کی جا رہی ہو' وہی اسلامی شرعی حکومت یا اسلامی شرعی اقتدار ہے۔ مسلمان جو بھی خلیفہ مقرر کریں اور اس کی بیعت کریں' وہ شرعاً خلیفہ اور واجب الاطاعت ہے۔

یہی وجہ ہے کہ بادشاہی نظام اسلامی نظام نہیں۔ اسلام بادشاہی نظام کی بالکل اجازت نہیں دیتا' چاہے بادشاہ برائے نام ہی ہو' جیسا کہ برطانیہ اور ہسپانیہ وغیرہ میں ہے۔ کیونکہ خلیفہ برائے نام نہیں ہوتا' بلکہ وہ حکمران' شریعت کو نافذ کرنے والا اور امت کا ایک نمائندہ ہوتا ہے۔ اسی طرح بادشاہ اگرچہ حاکم اور سربراہ بھی ہو' جیسا کہ سعودی عرب اور اردن وغیرہ میں ہے۔ کیونکہ خلافت بادشاہت کی طرح کسی کو میراث میں نہیں ملتی۔ بلکہ لوگ اس کا انتخاب کرتے ہیں اور اس کی بیعت کرتے ہیں۔ چنانچہ اسلام کا نظام حکم میراث کے طور پر حاصل کرنا جائز نہیں۔ اسی طرح ایک خلیفہ کا کسی عام مسلمان سے بڑھ کر کوئی مخصوص حق نہیں ہوتا۔ وہ قانون سے بالاتر نہیں' جبکہ

بادشاہ لوگ اپنے آپ کو احتساب سے بالاتر سمجھتے ہیں۔ خلیفہ تو اللہ کے احکامات کا پابند ہے۔ اس کے تصرفات میں اس کا محاسبہ بھی ہوگا۔

اس طرح جمہوری نظام بھی ایک غیر اسلامی نظام ہے۔ اسلام اس کی بالکل اجازت نہیں دیتا۔ چاہے یہ صدارتی نظام ہو' جیسا کہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں ہے' یا پارلیمانی نظام ہو' جس طرح کہ جرمنی میں ہے۔ کیونکہ جمہوری نظام اس ڈیموکریسی کی بنیاد پر قائم ہوتا ہے جو حکومت کو عوام کا حق سمجھتی ہے۔ جبکہ خلافت کے نظام کی بنیاد یہ ہے کہ حکمرانی شرع کی ہے۔ چنانچہ خلیفہ کو صرف حکمِ شرع ہی معزول کر سکتا ہے۔ یعنی جب وہ شرع کی مخالفت پر اتر آئے تو اسے معزول کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ اور اس کی اتھارٹی صرف محکمۃ المظالم کے پاس ہے کہ وہ خلیفہ کے خلافِ شرع امور کے ارتکاب کی وجہ سے اسے معزول کرے۔ کیونکہ ارشادِ ربانی ہے:

﴿يَـاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾

"اے ایمان والو! اللہ اور رسول (ﷺ) کی اطاعت کرو اور اپنے میں سے اولوالامر (حکمرانوں) کی بھی۔ اگر کسی معاملے میں تم آپس میں جھگڑا کرو تو اسے اللہ اور رسول (ﷺ) کی طرف لوٹا دو' اگر تم اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔" (النساء: ۵۹)

اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹانے کا مطلب یہ ہے کہ اس کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی طرف لوٹا دو۔ اور یہ محکمۃ المظالم ہی ہے جو اللہ اور رسول ﷺ کے حکم کو عملی جامہ پہناتا ہے۔ اس کے برعکس کسی جمہوریہ کے صدر کو وہاں کے عوام معزول کر سکتے ہیں' کیونکہ جمہوریہ میں حاکمیت عوام ہی کے پاس ہوتی ہے۔

خلیفہ کا تقرر کسی خاص اور معیّن وقت تک کے لیے نہیں ہوتا' بلکہ وہ اس وقت تک خلیفہ ہے جب تک اسلام نافذ کرے۔ اگر وہ اسلام نافذ نہ کرے تو اس کو معزول کیا جائے گا' خواہ اس کے تقرر کو ایک مہینہ بھی نہ ہوا ہو۔ جبکہ کسی جمہوریہ کا صدر ایک مقررہ مدت تک اپنے عہدے پر برقرار رہتا ہے۔ اس کے علاوہ پارلیمانی نظام میں جمہوریہ کے صدر کے ساتھ وزیراعظم بھی ہوتا

ہے' اور صدر صرف برائے نام ہوتا ہے۔ وہ کوئی حکم صادر نہیں کر سکتا' اور اصل حاکم وزیر اعظم ہوتا ہے۔ جبکہ خلیفہ خود حاکم ہوتا ہے' وہی براہ راست حکم دیتا ہے اور وہی حکم کو نافذ کرتا ہے۔ اس کے ساتھ حکومت کرنے کے لیے کسی قسم کے وزراء نہیں ہوتے۔

صدارتی نظام میں اگرچہ صدر ہی براہِ راست حکم دیتا ہے' لیکن اس کے ساتھ بااختیار وزراء بھی ہوتے ہیں۔ اور وہ صدر کے قائمقام ہوتے ہیں۔ اس کے برخلاف خلافت کے نظام میں خلیفہ ہی براہ راست حکومت کرتا ہے' اور جو اس کے ساتھ ہوتے ہیں' وہ صرف معاونین ہوتے ہیں۔ جمہوری نظام کے برعکس خلیفہ جب ان کا سربراہ بنتا ہے' تو وہ بحیثیت مملکت کے سربراہ کے ہوتا ہے' نہ کہ حکومتی ادارے کے سربراہ کی حیثیت سے۔ یہی وجہ ہے کہ جمہوری نظام اور خلافت کے نظام میں بڑا فرق پایا جاتا ہے۔ لہٰذا کسی اسلامی مملکت کو اسلامی جمہوریہ کہنا درست نہیں۔ اسی طرح یہ کہنا کہ 'اسلام میں جمہوریت ہے' بالکل غلط ہے۔ کیونکہ اسلام اور جمہوریت کے درمیان مکمل تناقض اور تضاد ہے۔

خلافت کا ایک ہونا:

اسلام کا حکومتی نظام' جو خلافت کا نظام ہے' یہ وحدت کا نظام ہے۔ یعنی ریاستِ واحد کا' نہ کہ (مختلف ریاستوں کے) اتحاد کا۔ اور تمام دنیا کے مسلمانوں کے لیے ایک وقت میں ایک سے زیادہ اسلامی ریاست کا ہونا جائز نہیں۔ اسی طرح ایک خلیفہ سے زیادہ کا ہونا بھی جائز نہیں۔ جو ان پر کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کو نافذ کرے' یعنی شریعت کا نفاذ کرے۔ کیونکہ شریعت نے اسی کا حکم دیا ہے اور اس کے علاوہ کوئی دوسری صورت بالکل جائز نہیں۔ جیسا کہ عبداللہؓ بن عمروؓ بن العاص کی روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

(وَمَنْ بَايَعَ اِمَامًا فَاَعْطَاهُ صَفْقَةَ يَدِهٖ وَثَمَرَةَ قَلْبِهٖ فَلْيُطِعْهُ ' فَاِنْ جَآءَ آخَرُ يُنَازِعهُ فَاضرِبُوا عُنُقَ الآخَرِ)

"اور جو شخص کسی امام (خلیفہ) کی بیعت کرے تو اسے اپنے ہاتھ کا معاملہ اور دل کا پھل

دے دے (یعنی سب کچھ اس کے حوالہ کردے)' پھر اسے چاہیے کہ وہ حسبِ استطاعت اس کی اطاعت بھی کرے۔ اگر کوئی دوسرا شخص آئے اور پہلے خلیفہ سے تنازع کرے تو دوسرے کی گردن اڑادو۔''

اور یہ حدیث بھی ہے جو ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(اِذَا بُوْیِعَ لِلْخَلِیْفَتَیْنِ ' فَاقْتُلُوا الْاٰخَرَ مِنْھُمَا)

''جب دو خلفاء کے لیے بیعت کی جائے تو ان میں سے دوسرے کو قتل کردو۔''

اور عرفجہؓ سے بھی روایت ہے' وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

(مَنْ أَتَاکُمْ ' وَأَمْرُکُمْ جَمِیْعٌ یُرِیْدُ أَنْ یَّشُقَّ عَصَاکُمْ' أَوْ یُفَرِّقَ جَمَاعَتَکُمْ ' فَاقْتُلُوْہُ)

''تم متحد ہو اور کوئی شخص تمہاری صفوں میں رخنہ ڈالنا چاہے یا تمہاری جماعت میں تفرقہ ڈالے تو اسے قتل کردو۔''

ان سب احادیث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مسلمانوں کا ایک سے زیادہ خلیفہ ہونا جائز نہیں۔ ایک خلیفہ کی موجودگی کی صورت میں یا ایک کی بیعت کیے جانے کے بعد دوسرے کی بیعت کی جائے' تو پہلا خلیفہ ہی برقرار ہوگا اور دوسرے کو قتل کیا جائے گا' الا یہ کہ وہ خود معزول اور دستبردار ہو جائے۔ ایک خلیفہ کی موجودگی میں کوئی دوسرا خلافت کا دعویٰ کرے یا مملکت کو تقسیم کرنے کے لیے نزاع کرے' تو اسے قتل کرنا واجب ہے۔ یہ بات بالکل واضح ہے کہ مسلمانوں کی ایک سے زیادہ ریاست کا ہونا جائز نہیں۔ اور یہ بات بھی ظاہر ہے کہ مسلمانوں کی یہ ریاست وحدت کی بنیاد پر ہوگی' نہ کہ اتحاد کی بنیاد پر (یعنی کئی ریاستوں کا اتحاد ہو)۔

اسلامی حکومت کے قواعد:

اسلام میں نظامِ حکومت کے چار بنیادی قواعد ہیں' اور وہ یہ ہیں:

۱۔ اقتدارِ اعلیٰ شریعت کو حاصل ہے، امت کو نہیں:

مسلمان یا مسلم امت اپنے ارادے کی خود مالک نہیں۔ بلکہ ایک مسلمان فرد اور امت کا ارادہ اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی کے تابع ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ﴾

''(اے محمد ﷺ) تمہارے رب کی قسم! یہ اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتے جب تک کہ یہ آپ کو اپنے اختلافات میں فیصلہ کرنے والا نہ بنالیں۔'' (النساء: ۶۵)

ارشاد باری ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ﴾ (الاحزاب: ۳۶)

''اللہ اور اس کا رسول جب کوئی فیصلہ کریں تو کسی مومن مرد یا عورت کے لیے اس فیصلہ میں کوئی اختیار نہیں۔''

اسی طرح ارشاد ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾

''اے ایمان والو! اللہ اور رسول (ﷺ) کی اطاعت کرو اور اپنے میں سے اولوالامر (حکمرانوں) کی بھی۔ اگر کسی معاملے میں تم آپس میں جھگڑا کرو تو اسے اللہ اور رسول (ﷺ) کی طرف لوٹا دو اگر تم اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔'' (النساء: ۵۹)

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِّمَا جِئْتُ بِهٖ)

''تم میں سے کوئی بھی شخص اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتا، جب تک کہ اس کی (تمام) خواہشات اُس دین کے تابع نہ ہوں، جسے میں لے کر آیا ہوں۔''

ان دلائل سے یہ واضح طور پر معلوم ہوگیا کہ بالادستی (اقتدار اعلیٰ) شریعت کی ہے' امت کی نہیں۔

۲۔ حکومت امت کی ہوگی:

یہ بات واضح ہے کہ اختیار یعنی حکومت اس طرح امت کی ہوگی جس طرح کہ شریعت نے خلیفہ کے تقرر کا طریقہ بیعت کے ذریعے بتایا ہے۔اسی بیعت کے ذریعے سے خلیفہ منصبِ حکمرانی پر فائز ہوگا اور امت کے ایک نمائندے کی حیثیت سے حکومت کرے گا۔اس بات سے کہ' خلیفہ بیعت ہی کے ذریعے سے حکمران بن سکتا ہے' یہ واضح ہو جاتا ہے کہ حکومت امت کی ہے۔ جسے امت چاہتی ہے دے دیتی ہے۔جس طرح کہ کئی واضح اور صریح احادیث میں ہے کہ امت ہی امیر کا انتخاب کرتی ہے' اور اس کی بیعت کرتی ہے۔ چنانچہ عبداللہؓ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

(لَایَحِلُّ لِثَلَاثَةٍ یَکُوْنُوْنَ بِفَلَاةٍ مِّنَ الْاَرْضِ اِلَّا اَمَرُوْا عَلَیْهِمْ اَحَدَهُمْ)

''تین آدمی اگر کسی بیابان میں بھی ہوں تو ان کے لیے بغیر امیر کے رہنا جائز نہیں۔ بلکہ وہ ایک کو اپنا امیر بنائیں۔''

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ امارت امت کی ہے۔اور بیعت کے بارے میں گزشتہ احادیث میں بھی یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ یہ امت کی جانب ہی سے ہوگی۔

۳۔ تمام مسلمانوں پر حکومت کرنے کے لیے اپنے نمائندے کی حیثیت سے ایک خلیفہ کا تقرر فرض ہے:

خلیفہ کے تقرر اور اپنے اس امیر کی اطاعت کی فرضیت کے بارے میں کئی احادیث کا ذکر ہو چکا ہے۔اجماع صحابہؓ بھی اسی پر دلالت کرتا ہے۔

۴۔ صرف خلیفہ ہی کو احکامِ شرعیہ کے اختیار کرنے اور ان کو مملکت میں نافذ کرنے کا حق حاصل ہے۔ اور اسی کو قوانین اور دستور بنانے کا بھی حق حاصل ہے:

یہ بات اجماع صحابہؓ سے ثابت ہے کہ صرف خلیفہ ہی کو احکامات کے اختیار کا حق حاصل ہے۔ چنانچہ یہ قواعد اجماع صحابہؓ ہی سے اخذ کیے گئے ہیں:

۱۔ اَمْرُ الْاِمَامِ یَرْفَعُ الْخِلَافِ ''امام کا حکم اختلاف کو ختم کرتا ہے۔''

۲۔ اَمْرُ السُّلْطَانِ نَافِذٌ ''سلطان (شرعی اقتدار کا حامل شخص) کا حکم نافذ ہوتا ہے۔''

۳۔ لِلسُّلْطَانِ اَنْ یُّحْدِثَ مِنَ الْاَقْضِیَةِ بِقَدْرِ مَا یُحْدِثُ مِنْ مُشْکِلَاتٍ

''سلطان نئے مسائل کے لیے بقدرِ ضرورت نیا حل تلاش کرتا ہے۔''

اسلامی ریاست کا ڈھانچہ:

ریاست کا ڈھانچہ مندرجہ ذیل ارکان پر مشتمل ہوتا ہے:

۱۔ خلیفہ

۲۔ معاون التفویض

۳۔ معاون التنفیذ

۴۔ امیر الجہاد

۵۔ الولاۃ (گورنر)

۶۔ القضاۃ (جج)

۷۔ الجہاز الاداری لمصالح الامۃ (امت کے مفادات کے لیے انتظامی مشینری)

۸۔ مجلس الامۃ

۹۔ الجیش (فوج)

مملکت کے یہ ارکان رسول اللہ ﷺ کے عمل سے ماخوذ ہیں۔ آپ ﷺ نے مملکت

کے لیے ایک ڈھانچہ بنایا۔ آپ ﷺ خود ریاست کے سربراہ تھے۔ اس طرح آپ ﷺ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ اپنے لیے خلیفہ منتخب کریں۔ آپ ﷺ نے خود عمرؓ اور ابوبکرؓ کو اپنا معاون بنایا تھا' جیسا کہ ترمذی کی روایت ہے:

(وَزِیْرَایَ مِنْ اَھْلِ الْاَرْضِ اَبُوْبَکرٍ وَعُمرُ)

''اہل زمین میں میرے دو وزیر (معاون) ہیں' ابوبکرؓ اور عمرؓ۔''

وزیر لغت میں معاون کو کہتے ہیں۔ وزیر سے مراد مغربی جمہوری اصطلاح کا وزیر نہیں۔ جس طرح رسول اللہ ﷺ جنگ اور جہاد کے لیے امراء مقرر کرتے تھے' اسی طرح صوبوں کے لیے والی بھی آپ ﷺ نے مقرر کیے۔ جیسا کہ معاذؓ کو یمن کا والی مقرر کیا اور فتح مکہ کے بعد عتابؓ بن اسید کو مکہ کا والی متعیّن کیا۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے قاضیوں کا بھی تقرر کیا' جو لوگوں کے درمیان فیصلہ کیا کرتے تھے۔ چنانچہ علیؓ بن ابی طالب کو یمن کا قاضی مقرر کیا اور راشدؓ بن عبداللہ کو ''قضاۃ المظالم'' کا امیر بنایا۔ انتظامی عملے میں مفادات کے ادارے کے لیے محرر مقرر کیے۔ یہ سب لوگ محکموں کے سربراہوں کے قائمقام تھے۔ چنانچہ معیقبؓ بن ابی فاطمۃ کو غنیمتوں پر منشی یا محرر مقرر کیا۔ اور حذیفہؓ بن الیمان کو حجاز کے پھلوں کا اندازہ لگانے کے لیے منشی مقرر کیا۔ جہاں تک مجلس الامت کی بات ہے تو رسول اللہ ﷺ کے لیے کوئی متعیّن مجلس ہمیشہ نہیں تھی' بلکہ آپ ﷺ جب چاہتے' مسلمانوں سے مشورہ لے لیتے۔ چنانچہ احد کے دن آپ ﷺ نے مسلمانوں کو جمع کیا اور ان سے مشورہ لیا۔ بعض دفعہ آپ ﷺ معین شخصیتوں کو ہمیشہ مشورے کے لیے بلاتے' اور یہ افراد قوم کے نقیب (سربرآوردہ) تھے۔ ان میں حمزہ' ابوبکر' عمر' جعفر' علی' ابن مسعود' سلمان' عمار' حذیفہ' ابوذر' مقداد' سعد بن عبادۃ' سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہم شامل تھے۔ یہ مشورے ایک مجلس میں ہوتے اور آپ ﷺ ان سے مشورہ لیا کرتے تھے۔ اسی طرح آپ ﷺ نے ایک لشکر تیار کیا۔ آپ ﷺ خود اس لشکر کے عملی رہنما تھے اور بعض غزوات میں آپ ﷺ نے کمانڈرز بھی مقرر کیے۔

سیاسی جماعتیں:

سیاسی جماعتیں بنانا شرعاً مسلمانوں کا حق ہے۔ تاکہ حکمرانوں کا محاسبہ کیا جاسکے' یا امت کے ذریعے حکومت تک پہنچا جاسکے' بشرطیکہ ان جماعتوں کی بنیاد اسلامی عقیدے پر ہو۔ اور وہ حل اور احکام' جو یہ اختیار کریں' وہ شرعی احکامات اور شرعی حل ہوں۔ سیاسی جماعت کے قیام کے لیے کسی اجازت کی بھی ضرورت نہیں' اور یہ جماعتیں متعدد بھی ہوسکتی ہیں۔ جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَلتَكُن مِّنكُم اُمَّةٌ يَّدعُونَ اِلَى الخَيرِ وَيَأمُرُونَ بِالمَعرُوفِ وَيَنهَونَ عَنِ المُنكَرِ وَاُولٰئِكَ هُمُ المُفلِحُون﴾ (آل عمران: ۱۰۴)

''اور تم میں ایک جماعت ایسی ضرور ہونی چاہیے جو خیر کی طرف دعوت دے۔ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کرے۔ اور درحقیقت یہی لوگ کامیاب ہیں۔''

حکام کا محاسبہ:

اللہ تعالیٰ نے حکام کی اطاعت اور ان کے اعمال وتصرفات میں ان کے محاسبہ کا حکم دیا ہے۔ محاسبہ کے بارے میں مسلمانوں کو حتمی حکم دیا گیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان کو اس وقت ہٹا دینے کا حکم دیا ہے جب وہ اپنی رعایا کے حقوق غصب کریں' اپنی ذمہ داری کی ادائیگی میں کوتاہی کریں یا کسی معاملے میں سستی کا مظاہرہ کریں۔ کسی شرعی حکم کی مخالفت کریں یا اللہ کے نازل کردہ احکامات کے مطابق حکومت نہ کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(اَفضَلُ الجِهَادِ كَلِمَةُ حَقٍّ عِندَ سُلطَانٍ جَائِرٍ)

''ظالم حکمران کے سامنے کلمہ حق کہنا افضل ترین جہاد ہے۔''

اور آپ ﷺ نے فرمایا:

(سَيِّدُ الشُّهَدَآءِ حَمزَةُ وَرَجُلٌ قَامَ اِلٰى اِمَامٍ جَائِرٍ فَنَصَحَهُ فَقَتَلَهُ)

''شہداء کے سردار حمزہؓ ہیں اور وہ شخص بھی' جو ظالم حکمران کو نصیحت کرے اور

وہ (حکمران) اسے قتل کر دے۔''

اسلام کے مطابق کی جانے والی حکومت کی اطاعت مسلمانوں پر فرض ہے۔ یعنی وہ حکمران، جو اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکامات کے مطابق حکومت کرتا ہو اور کسی گناہ کے کام کا حکم نہ دے، اور اس کی حکومت میں صریح کفر ظاہر نہ ہوا ہو۔ ارشادِ باری ہے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ﴾

''اے ایمان والو! اللہ اور رسول (ﷺ) کی اطاعت کرو اور اپنے میں سے اولوالامر (حکمرانوں) کی بھی۔'' (النساء: ۵۹)

چنانچہ مسلمان حاکم کی اطاعت اس وقت تک ہے جب تک کہ وہ اللہ کے نازل کردہ احکامات کے مطابق حکومت کرے اور کسی گناہ کے کام کا حکم نہ دے۔ اگر کسی گناہ کے کام کا حکم دے، تو اس کی اطاعت فرض نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(اَلسَّمْعُ وَالطَّاعَةُ عَلَى الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ فِيْمَا اَحَبَّ وَكَرِهَ مَا لَمْ يُؤْمَرْ بِمَعْصِيَةٍ، فَاِذَا اُمِرَ بِمَعْصِيَةٍ فَلَا سَمْعَ وَلَا طَاعَةَ)

''مسلمان پر پسندیدہ اور ناپسندیدہ (دونوں) احکام میں، (امیر کی) سمع و اطاعت لازم ہے، جب تک کہ اسے معصیہ (اللہ کی نافرمانی) کا حکم نہ دیا جائے۔ اور جب اسے معصیہ کا حکم دیا جائے تو پھر کوئی سمع و اطاعت نہیں۔''

اِس حکمران کے خلاف خروج کو اُس وقت تک حرام قرار دیا ہے جب تک کہ وہ اسلام کے مطابق حکومت کرے، اگر چہ ظلم کا ارتکاب وہ کرتا ہو۔ کیونکہ اس ظلم کا حساب تو اس سے لیا جائے گا۔ لیکن اس کے ظلم کی وجہ سے اُس کے خلاف خروج اور جنگ جائز نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

(مَنْ خَرَجَ مِنَ الْجَمَاعَةِ فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَةَ الاسْلَامِ مِنْ عُنُقِهِ حَتّٰى يُرَاجِعَهُ)

''جو جماعت (امت) سے نکلے تو اس نے اسلام کا طوق اپنی گردن سے اتار دیا، یہاں تک کہ وہ رجوع کر لے۔''

اور احادیث میں واضح طور پر حکمرانوں کے خلاف جنگ کرنے سے منع کیا گیا ہے' اگرچہ وہ ظلم کریں۔ ہاں! صرف اسی صورت میں' اگر وہ صریح کفر کا ارتکاب کریں۔ یعنی وہ اس طرح کفر کا ارتکاب کریں جو دلیلِ قطعی سے ثابت ہو' اور اس میں کسی قسم کا کوئی شک وشبہ نہ ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(سَتَكُوْنُ أُمَرَاءُ ' فَتَعْرِفُوْنَ وَتُنْكِرُوْنَ ' فَمَنْ عَرَفَ بَرِئَ ' وَمَنْ أَنْكَرَ سَلِمَ وَلٰكِنْ مَّنْ رَضِيَ وَتَابَعَ' قَالُوْا: أَفَلَا نُقَاتِلُهُمْ؟ قَالَ: لَا ' مَا صَلُّوْا)

''عنقریب امراء ہوں گے۔ تم ان (میں بعض) کو معروف پاؤ گے اور بعض کو منکر۔ تو جو معروف کرے وہ بری ہے۔ اور جو منکر کا انکار کردے وہ سلامت ہے۔ لیکن جو (ان سے) راضی ہو اور تابعداری بھی کرے (وہ بری اور سلامت نہیں)۔ (صحابہؓ نے) کہا: کیوں نہ ہم ان سے قتال کریں؟ آپ (ﷺ) نے فرمایا: نہیں' جب تک کہ وہ نماز پڑھتے رہیں۔''

اور یہاں نماز سے مراد اسلام کے مطابق حکومت ہے۔ اور عوفؓ بن مالک کی اس حدیث میں بھی یہ بیان ہوا ہے' جسے مسلمؒ نے روایت کیا ہے:

(قِيْلَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ! أَفَلَا نُنَابِذُهُمْ بِالسَّيْفِ؟ فَقَالَ: لَا. مَا أَقَامُوْا فِيْكُمُ الصَّلَاةَ)

''کہا گیا کہ اللہ کے رسول (ﷺ)! کیا ہم انہیں بزورِ شمشیر نکال باہر نہ پھینکیں؟ فرمایا: نہیں' جب تک کہ وہ تمہارے درمیان نماز قائم کرتے رہیں۔''

اور عبادہؓ بن الصامت کی حدیث میں ہے:

(وَأَنْ لَّا نُنَازِعَ الْأَمْرَ أَهْلَهُ إِلَّا أَنْ تَرَوْا كُفْرًا بَوَاحًا عِنْدَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ فِيْهِ بُرْهَانٌ)

''اور اس بات پر (ہم نے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی) کہ ہم اولوالامر کے ساتھ جھگڑا نہیں کریں گے' جب تک کہ وہ صریح کفر کا ارتکاب نہ کریں۔ جس کی تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے واضح دلیل موجود ہو۔''

اسلام میں اقتصادی نظام کے احکامات:

حزب التحریر نے کتاب ''اسلام کا اقتصادی نظام'' کے لیے ایک طویل مقدمہ مرتب کیا ہے۔ جس میں خصوصی طور پر سرمایہ دارانہ اقتصادی نظام کے افکار کا توڑ کیا گیا ہے۔ اس طرح کمیونزم اور اشتراکیت کے اقتصادی افکار کی خرابیوں کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ اسی طرح ان کے اسلام کے اقتصادی نظام اور اس کے احکام وافکار کے ساتھ اختلاف اور تضاد کو بھی واضح کیا گیا ہے۔ ذیل میں ہم اسلام کے اقتصادی نظام کے بعض افکار واحکام بیان کریں گے۔

اسلام کی اقتصادی پالیسی (اصول):

اسلام کی اقتصادی پالیسی ہر فرد کی تمام بنیادی ضروریات پورا کرنے کی ضمانت دیتی ہے۔ مزید برآں جس اسلامی معاشرے میں وہ فرد رہتا ہے' اس کے اعتبار سے اس کی بعض حاجات کو پورا کرنے کی بھی ضمانت دیتی ہے اور جس کا اپنا ایک خاص انداز ہوتا ہے۔ چنانچہ شریعت کے احکامات ہر فرد کو اس کی بنیادی ضروریات مثلاً کھانا پینا' مکان' لباس کو پورا پورا مہیا کرنے کی ضمانت دیتے ہیں۔ اور یہ اس طرح سے ہوگا کہ جو فرد کام کرنے کے قابل ہے' اس کا فرض ہے کہ وہ اپنی اور ان لوگوں کی بنیادی ضروریات پوری کرے' جن کا نفقہ اس شخص پر فرض ہو۔ والد پر فرض ہے کہ وہ اپنی اولاد کی کفالت کرے۔ اگر کوئی فرد کام کرنے کے قابل نہیں تو اس کی ذمہ داری اس کے وارث پر عائد ہوتی ہے۔ لیکن اگر کوئی ایسا فرد موجود نہیں ہے جس پر اس شخص کا نفقہ فرض ہو' تو پھر یہ ذمہ داری بیت المال کی ہے۔ اسی طریقے پر اسلام نے انسان کی بنیادی ضروریات کو پورا کرنے کی ضمانت دی ہے۔

اقتصادی مسئلہ اسلام کی نظر میں:

یہ اموال اور منافع کو رعایا کے تمام افراد پر تقسیم کرنے کا مسئلہ ہے۔ دوسرے لفظوں میں اقتصادی مسئلہ دولت کی تقسیم کا ہے' نہ کہ دولت پیدا کرنے کا۔

ملکیتِ مال کا اصول (قانون):

بنیادی طور پر مال اللہ کی ملکیت ہے اور اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو اس کے بارے میں ذمہ دار بنایا ہے۔ اس ذمہ داری یا جانشینی کی وجہ سے ان کو یک گونہ حقِ ملکیت حاصل ہو گیا۔ اور اللہ تعالیٰ ہی نے فرد کو اس مال پر قبضے کی اجازت دی ہے۔ یہ خاص اجازت ہے۔ اس خاص اجازت کی وجہ سے یہ بالفعل اس کا مالک متصور ہوا۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِیْٓ اٰتٰىكُمْ﴾ (النور: ۳۳)

''اور ان کو اس مال میں سے دو، جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں دیا ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے مال کی نسبت اپنی طرف کی۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِیْنَ فِیْهِ﴾ (الحدید: ۷)

''اور اس میں سے خرچ کرو، جس میں اس نے تمہیں جانشین بنایا ہے۔''

پس اللہ تعالیٰ نے مال میں لوگوں کو اپنا نائب بنایا ہے۔

ملکیت کی اقسام:

ملکیت کی تین اقسام ہیں: انفرادی ملکیت، عام ملکیت، ریاست کی ملکیت

اول: انفرادی ملکیت:

یہ شارع کی جانب سے انسان کو عین (اصل) یا اس کی منفعت، یا اس کے متبادل کو خرچ کرنے کی اجازت ہے۔ اسلام نے فرد کے لیے انفرادی ملکیت کو ایک شرعی حق قرار دیا ہے۔ چنانچہ وہ اموالِ منقولہ مثلاً چوپائے، نقد، گاڑیاں اور کپڑے وغیرہ اور اموالِ غیر منقولہ مثلاً زمین، گھر، فیکٹری وغیرہ کا مالک ہو سکتا ہے۔ شریعت نے فرد کو اپنی ملکیت میں تصرف کا حق بھی دیا ہے۔ البتہ شریعت نے ان اسباب کا تعین کیا ہے، جن سے کوئی فرد مال کا مالک ہو سکتا ہے، اس مال کو

بڑھا سکتا ہے۔اور اسی طرح اس کو خرچ کرنے کی بھی شریعت نے ایک حد مقرر کر دی ہے۔

ملکیت کے اسباب:

شارع نے ان اسباب کو متعیّن کر دیا ہے، جن سے انسان مال کا مالک بن سکتا ہے، یا مال کی نشو ونما کر سکتا ہے۔لہٰذا اپنا یا کسی کا کام خود کرنے کو یا دوسروں کے ذریعے کروانے کو ملکیت کا سبب قرار دیا ہے۔بنجر زمین کو قابلِ کاشت بنانے اور زمین کے اندر سے معدنیات نکالنے، ایجنٹ اور دلال بننے کو بھی ملکیت کا سبب قرار دیا ہے۔اسی طرح مضاربہ اور مساقت (پانی دینا) کو بھی ملکیت کا سبب قرار دیا۔مزید برآں شارع نے میراث، بقدرِ کفاف (زندگی کو برقرار رکھنے کی خاطر) مال لینے، ریاست کی جانب سے رعایا کو مال دینے، اور ان اموال کو، جو افراد بغیر کسی مشقت کے حاصل کرتے ہیں، جیسے ہبہ، ہدیہ، وصایا، عطیہ، دیت، مہر اور لقطہ (راستے میں ملی ہوئی چیز) وغیرہ کو بھی ملکیت کا سبب قرار دیا ہے۔اسی طرح شارع نے زراعت، تجارت اور صنعت کو مال کی بڑھوتری کا سبب قرار دیا ہے۔جس طرح کسب کو اور مختلف طریقوں سے مال کے نشو ونما کی کیفیت کو بھی متعیّن کیا ہے، اسی طرح ان طریقوں کو بھی متعین کیا ہے، جن سے ایک مسلمان اموال نہیں بڑھا سکتا، یا ان کو اپنے کسب کا وسیلہ نہیں بنا سکتا۔چنانچہ مندرجہ ذیل طریقوں سے مال کمانے اور اس کو بڑھانے سے منع کیا:

سرمایہ دارانہ حصہ دار کمپنیاں (شیئر ہولڈر کمپنیاں):

یہ شراکتی کمپنیاں اسلام میں حرام ہیں۔اسلام ان کی بالکل اجازت نہیں دیتا۔کیونکہ یہ انعقاد اور ''صحتِ بیع'' کی ان تمام شرائط کو پورا نہیں کرتیں جو نصوص میں مذکور ہیں۔ان کمپنیوں کے شیئرز میں عقد کے ارکان، یعنی ایجاب وقبول بھی نہیں پائے جاتے۔یہ ایک طرف سے پورے ہوتے ہیں، جو صرف ایک حصہ دار ہے۔وہ اس طرح کہ کوئی شخص صرف کمپنی کی شرائط پر پورا اترے تو وہ شریک بن جاتا ہے۔اسی طرح صرف ایک حصہ کے خریدنے سے کوئی شخص کمپنی کا حصہ دار بن

جاتا ہے۔سرمایہ داروں کے نزدیک یہ صرف ارادہ ہے۔اس کمپنی کے شیئرز میں دو عاقد (بائع و مشتری) نہیں ہوتے' بلکہ صرف ایک متصرف ہوتا ہے۔اسی طرح اس میں ایجاب وقبول بھی نہیں ہوتا' بلکہ صرف قبول ہے۔اوراس میں مال اور بدن نہیں ہوتا' بلکہ فقط مال ہوتا ہے۔شریعت میں کمپنی کے لیے یہ شرط ہے کہ اس میں دو عاقدوں (بائع ومشتری) کی جانب سے ایجاب وقبول ہوتا ہے۔جیسا کہ تجارت' کرایہ اور اس جیسے دوسرے عقود میں ہے' اور یہ شرکت بھی صرف دو بدنوں کے درمیان یا بدن اور مال کے درمیان ہوسکتی ہے۔بدن کے بغیر مال میں شرکت جائز نہیں۔چنانچہ سرمایہ دارانہ شراکتی کمپنی کا عقد ہی نہیں ہوتا کیونکہ اس میں عقد کے ارکان ہی نہیں پائے جاتے۔لہٰذا یہ باطل اور حرام ہے۔شرع کی مخالفت ہے' اور اس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔اس میں اللہ کے اَمر کی مخالفت ہے۔کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انعقاد کی شرط کو پورا کرنے کا حکم دیا ہے۔ان کو پورا نہ کرنے سے اللہ اور اس کے حکم کی مخالفت نظر آتی ہے:

﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ (النور:٦٣)

''جو اس (محمد ﷺ) کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں انہیں اس بات سے ڈرنا چاہیے کہ وہ کسی فتنہ یا دردناک عذاب میں مبتلا نہ ہو جائیں۔''

اسی طرح شارع نے سود' ذخیرہ اندوزی' جوا' ملاوٹ' دھوکا' غبن' فحش' شراب کی خرید وفروخت' خنزیر کی تجارت یا مردار کے بیچنے اور خریدنے کو' صلیب کی لکڑی کے بیچنے' میلاد کی خوشی کے درخت' چوری اور جیب تراشی' لوٹ مار' اور شوت یا خیانت کے ذریعے مال کمانے اور بڑھانے سے منع کیا ہے۔

دوم: عام ملکیت:

ملکیت کی اقسام میں سے دوسری قسم ''ملکیتِ عام'' ہے۔یہ اعیان (نقد اموال) ہیں' جنہیں شارع نے تمام مسلمانوں کی ملکیت میں دیا' اور ان کو مسلمانوں کے درمیان مشترک قرار

دیا۔اوران سے نفع اٹھانے کوافراد کے لیے مباح قرار دیااورانفرادی ملکیت میں لینے سے منع فرمایا ہے۔بنیادی طور پران اعیان کی تین اقسام ہیں:

۱۔ جماعت کی عام روزمرہ ضروریاتِ زندگی، جن کے بغیر زندگی ناممکن ہے۔مثلاً پانی، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(اَلنَّاسُ شُرَکَاءُ فِیْ ثَلَاثٍ اَلْمَاءُ وَالْکَلَاءُ وَالنَّارُ)

''تین چیزوں میں تمام لوگ شریک ہیں: پانی، چارہ اور آگ۔''

بات ان تین چیزوں تک محدود نہیں، بلکہ اس میں ہر وہ چیز داخل ہے جو جماعت کی ضرورت ہے۔لہٰذا وہ تمام آلات بھی اس میں شامل ہیں جو جماعت کی ضرورت ہیں۔جیسے پانی نکالنے یا چھڑکنے کے آلات اوراس کو پہنچانے کے لیے پائپ، بجلی پیدا کرنے کے آلات، مثلاً اس میں پانی کے گرنے کے آلات، ستون اور تار وغیرہ۔

۲۔ وہ اعیان، جو اپنی طبعی اور تکوینی خصوصیت کی وجہ سے انفرادی قبضہ میں نہیں ہو سکتے۔ مثلاً سمندر، دریا، عام میدان، مساجد، عام راستے وغیرہ۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(مِنًی مُنَاخٌ مَن سَبَقَ)

''جو پہل کرے ہماری طرف سے راہ ہموار ہے۔''(یعنی پہلے آیئے پہلے پایئے)۔

ان کے علاوہ کئی اور چیزیں، مثلاً ریل گاڑی، بجلی کے کھمبے، پانی کی پائپ لائنز اور پانی کے وہ نلکے، جو عام راستوں میں لگے ہوئے ہیں، بھی عام ملکیت میں شامل ہیں۔کیونکہ یہ عام راستوں میں لگے ہوئے ہیں اور عام راستے عام ملکیت ہیں۔کوئی فرد ان کو اپنے لیے خاص نہیں کرسکتا اور نہ اس چیز سے لوگوں کو منع کرسکتا ہے، جو عام ہے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(لَا حِمَی اِلَّا لِلّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ)

''اللہ اور اس کے رسول کے علاوہ کسی کے لیے چراگاہ نہیں ہے۔''

چنانچہ ریاست کے علاوہ کوئی بھی ان چیزوں سے منع نہیں کرسکتا۔

۳۔ وہ بے شمار معدنیات، جو منقطع نہ ہوتی ہوں۔

یہ بہت سی معدنیات، جو بہت کثرت سے ہوتی ہیں، یہ تمام مسلمانوں کی ملکیت ہیں۔ کسی خاص فرد یا کمپنی کے لیے ان کی ملکیت جائز نہیں۔ لہٰذا انہیں نکالنے، بنانے اور ذخیرہ کرنے یا تقسیم کرنے کے لیے کسی خاص فرد یا کمپنی کی ملکیت میں دینا جائز نہیں۔ بلکہ ان کو تمام مسلمانوں کی ملکیت میں رہنا ضروری ہے۔ اس میں تمام مسلمان شریک ہوں گے۔ اور مملکت انہیں خود نکالے گی، یا کسی اور ذریعے سے، یا مسلمانوں کے نمائندے کی حیثیت سے انہیں بیچ کر ان کی آمدنی بیت المال میں رکھے گی۔ یہ معادن چاہے ظاہری ہوں یا زیرِ زمین، ان میں کوئی فرق نہیں۔ مثلاً نمک، سرمہ وغیرہ (جو ظاہری معدنیات ہیں)۔ اسی طرح زیرِ زمین معادن، جن کو بڑی مشقت سے نکالا جاتا ہے، مثلاً سونا، چاندی، لوہا، پیتل، تانبا، یورینیم، پٹرول وغیرہ۔ اس کی دلیل ابیضؓ بن حمال المازنی کی حدیث ہے:

(اَنَّـهُ اِسْتَـقْطَعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ اَلْـمِـلْـحَ بِـمَآءٍ رِبَ فَقَطَعَهُ لَهُ فَلَمَّا وَلّٰى قِيْلَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ: اَتَدْرِىْ مَاقَطَعْتَ لَهُ؟ اِنَّمَا اَقْطَعْتَهُ الْمَآءَ الْعِدَ، قَالَ، فَرْجِعْهُ مِنْهُ)

"انہوں (ابیض بن حمال) نے رسول اللہ سے مارب میں نمک توڑ لینے کی اجازت چاہی تو آپ نے ان کے لیے توڑا۔ جب وہ واپس ہوئے تو رسول اللہ سے کہا گیا: اے اللہ کے رسول! کیا آپ کو معلوم ہے کہ آپ نے ان کے لیے کیا توڑا؟ آپ نے اس کے لیے بے شمار پانی (معدنیات) توڑا۔ آپ نے فرمایا: "اس سے واپس لے لو۔"

جہاں تک ان چھوٹی اور مقدار میں محدود معدنیات کا تعلق ہے، جیسے سونے اور چاندی کا عرق، تو ان کا کوئی خاص فرد بھی مالک ہوسکتا ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے بلالؓ بن الحارث المزنی کو حجاز میں الفرع کی طرف "معادن القبلية" کا مالک بنایا۔ بلال نے رسول اللہ ﷺ سے ان کو توڑنے کا سوال کیا تو آپ ﷺ نے ان کے لیے تڑوایا، اور اس کا مالک بھی بنایا۔

عام ملکیت سے نفع اٹھانے کی کیفیت:

چونکہ ملکیتِ عامہ تمام مسلمانوں کی ملکیت اور ان کے درمیان مشترک ہے، لہٰذا ہر فرد

اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ اگر اس ملکیت کے اعیان ایسے ہوں، جن سے انسان خود آسانی سے نفع اٹھا سکتا ہے، تو اٹھائے۔ مثلاً پانی، چارہ، آگ، عام راستے دریا اور سمندر وغیرہ۔ اور اگر ان سے خود آسانی سے فائدہ اٹھانا ایک فرد کے لیے سہل نہ ہو، مثلاً پٹرول اور دوسری معدنیات وغیرہ، تو مملکت ان کو زمین سے نکالے گی اور ان کی آمدنی بیت المال میں رکھے گی۔ خلیفہ ان میں سے حسبِ موقع مسلمانوں کے فائدے کے لیے خرچ کرے گا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اس کی آمدن کو مندرجہ ذیل طریقے سے تقسیم کرے:

۱۔ اعیان کو زمین سے نکالنے کے محکمے پر خرچ کرے۔ یعنی اس کی تعمیرات، متعلقہ افسروں، مشیروں، ماہرین و آلات اور کارخانوں وغیرہ پر۔

۲۔ ان مسلمانوں پر خرچ کرے، جو ان ملکیاتِ عامہ کے حق دار ہیں۔ یعنی خلیفہ انہیں مسلمانوں میں تقسیم کر دے گا، جیسے پٹرول، پانی، بجلی وغیرہ مفت دے گا، یا ان سے حاصل ہونے والی آمدنی کو مسلمانوں کے مفادات اور موقع و محل کے اعتبار سے ان کی بھلائی کے کاموں میں خرچ کرے گا۔

۳۔ جہاد اور اس کے لیے اسلحہ اور فوج کی تیاری میں ان کو خرچ کرنے سے منع کرے گا۔ اور اسی طرح بیت المال کے ان مصارف میں بھی خرچ نہیں کرنے دے گا، جن پر خرچ کرنا مال ہونے یا نہ ہونے کی صورت میں بہر حال بیت المال پر واجب ہے۔ بیت المال میں مال نہ ہونے کی صورت میں اس کے لیے خرچ کرنا مسلمانوں کا فرض ہے۔

سوم: مملکت کی ملکیت:

ملکیت کی تیسری قسم ''مملکت کی ملکیت'' ہے۔ اس میں ہر وہ عین شامل ہے، جو زمین یا مکان کی صورت میں عام مسلمانوں سے تو متعلق ہے مگر ملکیت عامہ میں داخل نہیں۔ مملکت کی ملکیت وہ اعیان ہیں، جو انفرادی ملکیت کی اہلیت بھی رکھتے ہیں، مثلاً زمین، مکان اور منقولہ اشیاء وغیرہ لیکن جب یہ عام مسلمانوں سے متعلق ہو گئے، تو ان کی تدبیر اِن مسلمانوں کا معاملہ ہے۔

جہاں تک تصرف کی بات ہے تو یہ مملکت کی ذمہ داری ہے۔ کیونکہ مملکت ہی ان چیزوں کو بہتر طریقے سے صرف کرسکتی ہے جو عام مسلمانوں سے متعلقہ ہیں۔ مثلاً صحرا' پہاڑ' بندرگاہیں' ایسی بنجر زمین' جو کسی خاص شخص کی ملکیت نہ ہو' عمارات' پانی پینے کی جگہیں (کنوئیں وغیرہ)۔ اسی طرح وہ اعیان' جن کو مملکت خرید لے یا تعمیر کرے یا جنگ میں دشمن سے چھین لے' مثلاً دفاتر کی عمارات۔ اسی طرح مدارس' ہسپتال وغیرہ۔ مملکت اُن املاک کی مالک بھی ہوسکتی ہے جن کے مالک افراد ہوسکتے ہیں' مثلاً زمین مکان وغیرہ۔ پھر خلیفہ ان کو افراد کی ملکیت میں بھی دے سکتا ہے' چاہے یہ منفعت کے اعتبار سے ہو یا اصل (عین) کے اعتبار سے' یا پھر دونوں اعتبار سے۔ یعنی منفعت کا اصل یا بنجر زمین انہیں دے دے' تاکہ وہ اس کو آباد کریں اور مالک بن جائیں۔ اور اس کے ساتھ اس میں ایسا تصرف کریں جو مسلمانوں کے مفاد میں ہو۔

زمینیں:

زمینوں کا رقبہ اور منفعت دو چیزیں ہیں۔ اس کا رقبہ اس کی اصل ہے اور منفعت سے مراد زراعت وغیرہ میں اس کا استعمال ہے۔ اسلام نے اس کے اصل اور منفعت دونوں کی ملکیت کو مباح کر دیا۔ لیکن دونوں کے لیے مخصوص احکام وضع کیے ہیں۔

زمینوں کی اقسام:

زمینوں کی دو اقسام ہیں: (۱) عشری زمین (۲) خراجی زمین

اول: عشری زمین:

یہ وہ زمین ہے جس کے رہنے والے وہاں رہتے ہوئے مسلمان ہوئے۔ جیسے انڈونیشیا اور جزیرہ عرب کی زمین' اور وہ بنجر زمین' جسے انسان خود آباد کرے۔

عشری زمین کے اصل اور نفع دونوں کا مالک بنا جاسکتا ہے اور اس میں زمین کی پیداوار

پر زکوٰۃ ہے۔اگر زمین بارانی ہوتو زکوٰۃ کے بجائے عشر ہے۔اگر زمین کو آلات کی مدد سے سیراب کیا جائے تو اس میں نصف عشر ہے۔

دوم: خراجی زمین:

یہ وہ زمین ہے جو جہاد یا صلح کے ذریعے فتح کی گئی ہو۔جزیرہ عرب میں اس کی مثال عراق، شام، مصر اور دوسرے ممالک، جو بزورِ شمشیر فتح کیے گئے ہیں۔خراجی زمین کی اصل (عینِ زمین) مسلمانوں کی ملکیت ہے۔مملکت اس ملکیت میں مسلمانوں کی نائب ہے۔افراد کے لیے اس کی منفعت کی ملکیت بھی ایک جائز امر ہے۔اور خراجی زمین پر خراج لینا فرض ہے، اور اس کی مقدار وہ ہوگی جو مملکت اس پر مقرر کرے۔اسی طرح خراج نکالنے کے بعد اگر اس کی پیداوار نصاب کو پہنچے تو اس پر زکوٰۃ بھی لی جائے گی۔چنانچہ ہر فرد کو عشری زمین سے نفع اٹھانے کا حق حاصل ہے۔بایں معنی کہ وہ اس کو بیچ سکتا ہے، اس کو میراث اور ہبہ میں لے دے سکتا ہے۔اسی طرح فرد کو خراجی زمین سے بھی نفع اٹھانے کا حق حاصل ہے۔یعنی وہ اس کو بیچ یا خرید سکتا ہے، اور دوسرے اموال کی طرح میراث کے ذریعے اس کا مالک بھی ہوسکتا ہے۔

کارخانے:

کارخانوں کا بھی کسی فرد کی ملکیت میں ہونا جائز ہے۔مثلاً گاڑیوں کے کارخانے، فرنیچر وغیرہ کے کارخانے یا ٹیلرنگ ہاؤس یا کھیلوں کے سامان وغیرہ کے کارخانے، جن کے افراد مالک ہوتے ہیں۔اسی طرح مملکت بھی مختلف کارخانوں کی مالک ہوسکتی ہے، مثلاً اسلحہ ساز فیکٹریاں یا تیل نکالنے کے کارخانے یا معدنیات نکالنے کے کارخانے وغیرہ۔علاوہ ازیں کارخانے اور فیکٹریاں عام ملکیت میں بھی ہوسکتے ہیں، اگر وہ عام اشیاء پیدا کر رہے ہوں، مثلاً لوہا، پیتل، سونا اور چاندی کے کارخانے۔اسی طرح عام ملکیت کے اعیان نکالنے کے کارخانے، مثلاً پٹرول وغیرہ۔ان کارخانوں کی ملکیت ان کی پیداوار کی ملکیت کے تابع ہوگی۔کیونکہ قاعدہ ہے:

اِنَّ الْمَصْنَعَ یَأْ خُذُ حُکْمَ مَایُنْتِجُ

''(یعنی) کارخانے کا وہی حکم ہے جو اس کی پیداوار کا ہے۔''

بیت المال:

بیت المال کی آمدنی:

۱۔ انفال، غنائم، مالِ فے، خمس

۲۔ خراج

۳۔ جزیہ

۴۔ عام ملکیت کی آمدنی کی مختلف اقسام۔ ان کو خاص مد میں رکھا جائے گا۔

۵۔ زمین یا مکانات کی ملکیت کے ذریعے مملکت کی آمدنی

۶۔ شہروں کی حدود میں لیا جانے والا عشر

۷۔ معدن، خمس اور رکاز (مدفون خزانہ)

۸۔ ٹیکسز (الضرائب)

۹۔ زکوٰۃ کے اموال، ان کو بھی خاص مدات میں رکھا جائے گا۔

نقد کے سونا یا چاندی ہونے کا وجوب:

رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں لوگ صرف سونا چاندی کو نقدی کی بنیاد سمجھتے تھے۔ وہ ہر جگہ اسے ہی استعمال کرتے تھے۔ اس کے علاوہ وہ بازنطینی دینار اور کسروی درہم بھی اپنے پاس نقد کی صورت میں رکھتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانے سے لے کر عبدالملک بن مروان کے زمانے تک کسی خاص قسم کے نقدی سکے نہیں بنائے گئے۔ عبدالملک نے اپنے عہد میں ایک خاص قسم کا سکہ، اسلامی نقدی بنائی اور اسے ایک خاص طرز اور معیّن شکل میں بنوایا۔ اس میں خالص

اسلامی نقش ونگار کیا اور اسے صرف سونے چاندی کی بنیاد ہی پر رکھا۔ یعنی شرعی دینار اور درہم کے وزن کے برابر۔

سونے اور چاندی کے سونا اور چاندی ہونے کے اعتبار سے' اور نقد اور عملہ (سکہ) ہونے کے اعتبار سے' اسی طرح اشیاء کی قیمت اور محنت کی اجرت ہونے کے اعتبار سے' اسلام کے بہت سے شرعی احکامات ہیں۔ چنانچہ ان کا جمع کرنا (افراطِ زر) حرام ہے۔ ان سے متعلقہ ایسے احکامات بھی ہیں جو کبھی تبدیل نہیں ہوتے۔ لہٰذا ان میں زکوٰۃ ان کے نقد رہنے کے اعتبار سے ہے۔ اسی طرح اشیاء کی قیمتیں ہونے کے اعتبار سے' سونے کے دیناروں اور چاندی کے درہم سے ان اشیاء کے لیے ایک نصاب متعیّن کیا۔ اور اگر دیت بھی فرض ہو تو اس میں بھی یہ دونوں دی جا سکتی ہیں۔ اس کے لیے سونا اور چاندی سے ایک متعین مقدار مقرر کی گئی' جو سونے میں ہزار دینار اور چاندی میں بارہ ہزار درہم ہیں۔ جب چوری میں ہاتھ کاٹنے کو فرض قرار دیا تو اس میں اس مقدار کا تعین کیا' جس پر ہاتھ کاٹا جائے گا۔ یعنی سونے میں ربع دینار (دینار کا چوتھائی حصہ) اور چاندی میں تین درہم۔ اور جب شرع نے نقدی معاملات میں تصرف کے احکامات مقرر کیے' تو سونا اور چاندی ہی کو اس میں معتبر ٹھہرایا۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ اسلام نے اِن تمام شرعی احکامات کو سونے اور چاندی کے ساتھ بحیثیت نقد اور ''سکہ رائج الوقت'' کے مربوط کیا ہے۔ اور انہی کو چیزوں کی قیمت قرار دیا ہے۔ اور اس کو خود رسول اللہ ﷺ نے متعیّن کیا ہے کہ سونا اور چاندی ہی صرف نقد کے پیمانے ہیں' جن سے سامان کی قیمت لگائی جاتی ہے' اور محنت کی مزدوری دی جاتی ہے۔ یہ اس بات کی بہت بڑی دلیل ہے کہ اسلام نے بطور نقدی صرف سونا اور چاندی کا اعتبار کیا ہے۔ کیونکہ نقدی کے جتنے احکامات ہیں وہ سونے اور چاندی سے مربوط ہیں۔

اس بناء پر مسلمانوں پر لازم ہے کہ ان کی نقدی سونے اور چاندی کی شکل میں ہو اور خلیفہ کو بھی چاہیے کہ وہ نقدی میں صرف سونا اور چاندی کا اعتبار کرے۔ اور سونا اور چاندی کے اس قاعدے پر چلے' جو رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین کے زمانے میں تھا۔ اور خلافت کی

حکومت پر یہ بھی لازم آتا ہے کہ وہ ایک متعین شکل اور خاص طرز پر دینار اور درہم کے سکے بنائے۔ اور دینار کا وزن شرعی دینار کے وزن کے برابر ہو' یعنی 4.25 گرام ایک دینار کے لیے' جو مثقال کا وزن ہے۔اور چاندی کے درہم کا وزن شرعی درہم کے وزن کے برابر ہوگا' جسے ''وزنِ بیع'' بھی کہا جاتا ہے ۔یعنی ہر دس درہم سات مثقال وزن کے برابر ہوں گے۔اور 2.975 گرام وزن کے برابر درہم کا سکہ بنایا جائے گا۔

یہ سونے اور چاندی کا قاعدہ ہی ہے' جس کے ذریعے نقدی کی مشکلات پر قابو پایا جاسکتا ہے' اور افراطِ زر کی اُس عالمی شدت میں' جس نے پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لیا ہوا ہے' نقدی کو مستحکم کیا جاسکتا ہے۔قیمتوں میں استحکام اور عالمی تجارت کو ترقی دی جاسکتی ہے۔سونے اور چاندی کے قاعدے کے ذریعے ہی سے بین الاقوامی کرنسی پر امریکہ کے تسلط کو ختم کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح بین الاقوامی تجارت اور عالمی اقتصاد پر امریکی قبضے کو اس قاعدے سے ختم کیا جاسکتا ہے۔ پس سونے کے قاعدے کی طرف رجوع ہی سے دنیا میں ڈالر کا اثر ورسوخ اور اس کی قیمت مفقود ہوگی۔

تعلیمی پالیسی:

تعلیمی نصاب کی بنیاد اسلامی عقیدے پر ہونی چاہیے۔لہٰذا اسباق اور دروس کا مواد اور طریقہ تعلیم سب کے سب اس طرح ہوں کہ وہ موجودہ بنیاد سے خارج ہوں۔یعنی تعلیم کی پالیسی کا مقصد انسانی کی عقلیہ اور نفسیہ کی تکوین (بناوٹ) ہو۔چنانچہ تمام تدریسی مواد کو اسی بنیاد پر وضع کیا جائے اور تعلیم کا مقصد اسلامی شخصیت پیدا کرنا اور زندگی کے معاملات سے متعلق لوگوں کے علوم و معارف میں اضافہ کرنا ہے۔لہٰذا تمام مراحل میں اسلامی ثقافت کی تعلیم ضروری ہے۔

تعلقات عامہ اور خارجی سیاست کے احکام وافکار:

سیاست امت اور مملکت کے داخلی اور خارجی معاملات کی نگرانی کا نام ہے۔یہ مملکت

کی جانب سے لوگوں پر نظام نافذ کرنے اور داخلی طور پر ان کے معاملات کی نگرانی اور ضروریات کو پورا کرنا ہے۔ اسی طرح بین الاقوامی مؤقف کو سمجھنا اور بڑے ممالک کی پالیسی اور ان کے اثرات سے واقفیت رکھنا اور دعوت و جہاد کی بنیاد پر مختلف ممالک سے خارجی تعلقات قائم کرنا اور امت کی جانب سے سیاسی امور سرانجام دینا۔ اسی طرح امت میں موجود جماعتوں کی سیاست یہ ہے کہ وہ معاملات کی سرپرستی سے متعلق حاکم کا محاسبہ کریں۔ اس کے تصرفات اور اعمال پر نظر رکھیں۔ مسلمانوں کے معاملات اور امور کے اہتمام سے متعلق اس کو نصیحت کریں۔

دارالاسلام اور دارالکفر :

دارالاسلام وہ دار ہے، جہاں زندگی کے ہر پہلو سے متعلق اسلامی احکامات نافذ ہوں۔ اور اس کی امان اسلام کی امان ہو، اگرچہ وہاں کے باشندوں کی اکثریت غیر مسلم ہی کیوں نہ ہو اور دارالکفر وہ دار ہے، جہاں زندگی کے معاملات کے بارے میں کفریہ احکام نافذ ہوں، اور اس کی امان کفریہ امان کی وجہ سے ہو، اگرچہ وہاں کے باشندے سب مسلمان ہوں۔ چنانچہ دار کے دارالکفر یا دارالاسلام ہونے میں وہاں نافذ احکامات اور اس کی امان کا اعتبار ہے۔ وہاں کے باشندوں کے دین کا کوئی اعتبار نہیں۔

آج کے اسلامی ممالک میں کوئی ملک ایسا نہیں جہاں حکومت اور زندگی کے معاملات میں اسلامی احکامات نافذ ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ سارے ممالک دارالکفر ہیں۔ اگرچہ ان میں رہنے والوں کی اکثریت مسلمان ہے۔

لہٰذا اسلام تمام مسلمانوں پر اس چیز کو فرض قرار دیتا ہے کہ وہ ان ممالک کو دارالکفر سے دارالاسلام میں تبدیل کریں۔ یعنی ایک اسلامی ریاست قائم کریں، جو خلافت ہو۔ وہاں خلیفہ مقرر کریں اور اس کے ہاتھ پر اللہ کے نازل کردہ احکامات کے مطابق حکومت کرنے کی، یعنی اسلامی احکامات کو نافذ کرنے کی شرط پر بیعت کریں۔ پھر خلافت کے ساتھ مل کر باقی ممالک کو خلافت میں ضم کرنے کے لیے کام کریں۔ اسی طرح یہ دارالاسلام بن جائیں گے۔ اور وہاں سے

مسلمان اسلام کے علمبردار بن کر اس کو دعوت اور جہاد کے ذریعے پوری دنیا کے سامنے پیش کریں گے۔

جہاد:

جہاد کہتے ہیں اللہ کے کلمے کو بلند کرنے کے لیے اللہ کے راستے میں قتال میں مقدور بھر کوشش کرنا۔ اسی طرح براہِ راست دعوت دینا یا دعوت میں مدد کرنا' مال کے ذریعے یا رائے دے کر یا تعداد میں اضافے سے' یا کسی اور طریقے سے (مدد کرنا بھی اس میں شامل ہے)۔ پس اللہ کے کلمے کو سربلند کرنے اور اسلام کو پھیلانے کے لیے لڑنا (قتال کرنا) جہاد ہے۔ یہ فرض ہے اور اس کی فرضیت قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔ دسیوں آیات اور احادیث اس کی فرضیت پر دلالت کرتی ہیں۔

ابتداء میں تو جہاد فرضِ کفایہ ہے۔ لیکن جب دشمن حملہ کرے' تو جہاد فرض عین ہو جاتا ہے۔ ابتداء میں جہاد فرضِ کفایہ ہونے کا مطلب ہے کہ اگر دشمن جنگ نہ بھی کرے تو ہم قتال شروع کریں گے۔ چنانچہ کسی زمانے میں کوئی بھی مسلمان جہاد (قتال) کے لیے نہ اٹھے تو تمام مسلمان گنہگار ہوں گے۔ اس لیے کہ جہاد کوئی دفاعی جنگ نہیں' بلکہ جہاد اللہ کے کلمے کو بلند کرنے کے لیے قتال ہے۔ ابتداء میں یہ اسلام کو پھیلانے اور اسلام کی طرف دعوت دینے کے لیے بھی فرض ہے' اگرچہ کفار حملہ نہ بھی کریں۔

بین الاقوامی تعلقات:

اسلامی مملکت کے دوسرے ممالک کے ساتھ تعلقات اسلامی احکامات کے مطابق ہوں گے اور ان تعلقات کی صورت یہ ہوگی:

۱۔ آج عالمِ اسلام میں قائم مملکتیں گویا ایک علاقے میں قائم ایک ہی مملکت ہے۔ کیونکہ مسلمان ایک الگ امت ہیں۔ چنانچہ یہ فرض ہے کہ وہ ایک ہوں اور ایک ہی مملکت میں ہوں۔

بلکہ ایک ہی وجود ہوں۔ چنانچہ ان کے ساتھ (یعنی مسلم ممالک سے) تعلقات خارجی ممالک کے ساتھ تعلقات نہیں ہوں گے' اور یہ خارجہ سیاست میں داخل نہیں ہوں گے' بلکہ یہ داخلی سیاست کا ایک حصہ ہوں گے۔ اس لیے ان کے ساتھ ڈپلومیسی (سفارتی) تعلقات اور معاملات نہیں ہوں گے۔ بلکہ ان سب کو خلافت میں شامل کرنے اور ایک کرنے کے لیے کام کرنا فرض ہوگا۔ جب یہ ممالک دارالاسلام ہوں تو ان کی رعایا اجنبی نہیں سمجھی جائے گی۔ بلکہ ان کے ساتھ خلافت کی رعایا کی طرح معاملہ کیا جائے گا۔ اگر ان کا ملک دارالکفر ہو' تو ان کی رعایا کے ساتھ دارالکفر کا معاملہ کیا جائے گا۔

۲۔ اس کے علاوہ دنیا میں جتنے موجودہ ممالک ہیں' چاہے مشرق میں ہوں یا مغرب میں' سب دارالکفر سمجھے جائیں گے۔ اور ان کا حکم دارالحرب کا ہوگا۔ اور ان کے ساتھ تعلقات خارجی سیاست کے مطابق ہونگے۔ ان تعلقات کا تعین جہاد کے تقاضے کے مطابق ہوگا۔ اسی طرح یہ حکمِ شرعی اور مسلمانوں و مملکتِ خلافت کے مفادات کے مطابق ہی ہوں گے۔

۳۔ ان ممالک کے ساتھ اچھے ہمسائے کے معاہدات' تجارتی' اقتصادی' علمی یا زرعی وغیرہ معاہدات' جن کی اسلام اجازت دیتا ہے' محدود مدت اور محدود پیمانے پر ہوں گے۔ لیکن یہ معاملات جہاد' مسلمانوں اور مملکت خلافت کے تقاضوں اور مفادات کو مدنظر رکھ کر ہوں گے۔ ان ممالک کے ساتھ تعامل (معاملہ) ان معاہدات کے نصوص کے مطابق ہوگا۔ اور ان ممالک کے ساتھ تجارتی اور اقتصادی معاہدات محدود اشیاء اور محدود مدت اور متعیّن شرائط پر ہوں گے۔ جو مسلمانوں کے لیے ضروری اور ان ممالک کو مضبوط کرنے کا ذریعہ نہ ہوں۔

ان ممالک کی رعایا کے لیے مملکت خلافت میں داخل ہونا درست ہوگا۔ شناخت کے ساتھ اور پاسپورٹ کے بغیر' بشرطیکہ معاہدہ اس کی اجازت دے۔ لیکن اس کی شرائط بھی وہی ہوں گی جو مذکور ہوئیں۔

۴۔ دوسرے ممالک' جن سے ہمارے کوئی معاہدے نہیں' یا استعماری ممالک مثلاً امریکہ' برطانیہ' فرانس اور وہ ممالک' جو مسلمانوں پر قبضہ کے خواہش مند ہیں' مثلاً روس' یہ سب دارالحرب

متصور ہوں گے ۔اور ان کے بارے میں مکمل احتیاط برتی جائے گی ۔ان کے ساتھ سفارتی تعلقات بھی نہیں ہوں گے۔اور مملکت خلافت میں ان کے سفارت خانے بھی نہیں ہوں گے۔ان ممالک کی رعایا دولتِ خلافت میں پاسپورٹ کے ساتھ خلافت کی طرف ہر قسم کی اجازت ملنے کے بعد ہی داخل ہو سکے گی۔

۵۔ وہ ممالک' جو عملاً برسرِ پیکار ہیں' مثلاً اسرائیل' تو اس کے ساتھ تمام معاملات کے لحاظ سے حالتِ جنگ کا سا معاملہ کیا جائے گا۔چاہے ہمارے اور ان کے درمیان جنگ بندی ہو یا نہ ہو۔ہمارے اور ان کے درمیان جنگ کا معاملہ ہوگا۔اور اس کی رعایا کے لیے مملکت اسلامیہ میں داخلہ ممنوع ہوگا۔ان تمام غیر مسلموں کا خون اور ان کے اموال ہمارے لیے مباح ہوں گے۔

عملاً برسر پیکار ممالک کے ساتھ جنگ بندی کے لیے محدود اور معیّن وقت تک کے لیے معاہدہ کرنا جائز ہے۔البتہ دائمی معاہدے جائز نہیں کیونکہ دائمی جنگ بندی سے جہاد معطل رہے گا۔اور جب کوئی ملک اسلامی سرزمین پر قبضہ کرے' جیسا کہ اسرائیل نے فلسطین کی سرزمین پر قبضہ کیا ہے' تو اس ملک کے ساتھ معاہدہ شرعاً جرم ہے۔اس کے ساتھ صلح کرنے کا مطلب ہے کہ اپنی زمین سے دستبردار ہو جانا اور اس کو اپنی زمین کا مالک بنا دینا اور مسلمانوں پر اسے مسلط کر دینا۔یہ جائز نہیں۔اسلام نے تمام مسلمانوں پر لازم کیا ہے کہ وہ ایسے ملک کے ساتھ جنگ کریں۔اس کو نیست و نابود کریں اور مسلم علاقے اس سے چھڑائیں۔ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكَافِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا﴾ (النساء: ۱۴۱)

''اور اللہ تعالیٰ نے ہرگز کافروں کو مؤمنوں پر کوئی راستہ (اختیار یا غلبہ) نہیں دیا۔''

اور ارشاد ہے:

﴿فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَااعْتَدٰى عَلَيْكُمْ﴾

''جو تمہارے خلاف جارحیت کا ارتکاب کرے تو تم بھی اس پر حملہ کرو جیسا کہ انہوں نے تم پر حملہ کیا۔'' (البقرۃ: ۱۹۴)

۶۔ دولتِ خلافت کے لیے کسی ملک کے ساتھ لمبی مدت کے فوجی معاہدے کرنا جائز

نہیں۔ جیسا کہ مشترکہ دفاعی معاہدہ' دوطرفہ امن معاہدہ' اس سے متعلق فوجی (عسکری) سہولتیں وغیرہ یا ان کو اڈے دینا یا ائیر پورٹ' بندرگاہیں وغیرہ دینا' یہ سب اسلام میں حرام ہیں۔ مسلمانوں کے لیے کافر ممالک کے ساتھ اس قسم کے معاہدے کرنا حرام ہے۔ کیونکہ مسلمانوں کے لیے کفر کے جھنڈے تلے لڑنا' کفر کے راستے میں لڑنا' کافر مملکت کے لیے لڑنا اور کافروں کو مسلمانوں پر یا اسلامی سرزمین پر غلبہ اور قبضہ دینا بالکل حرام ہے۔

۷۔ کافر ممالک سے یا ان کی فوج سے مدد مانگنا جائز نہیں۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے مسلمانوں کو منع کیا ہے۔ جیسا کہ کافروں کی آگ سے روشنی حاصل کرنے سے منع فرمایا۔ آپ ﷺ کا قول ہے:

(لَاتَسْتَضِيْئُوْا بِنَارِ الْمُشْرِكِيْنَ)

''مشرکوں کی آگ سے روشنی مت لو۔''

یہاں (النار) آگ سے مراد (الحرب) جنگ ہے۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ ارشاد بھی فرمایا:

(اِنَّالَانَسْتَعِيْنُ بِمُشْرِكٍ)

''میں کسی مشرک سے مدد نہیں مانگتا۔''

اسی طرح ان ممالک سے قرض یا امداد لینا بھی جائز نہیں۔ کیونکہ قرض دینے میں ان کا فائدہ ہے اور یہ سود ہونے کی وجہ سے حرام بھی ہے۔ اور یہ قرض اور امداد ان ممالک کے مسلمانوں اور ان کے علاقوں پر تسلط کا وسیلہ ہے۔ اور اس شرعی قاعدے کی وجہ سے حرام ہے کہ:

الوسيلة الى الحرام محرمة

''حرام کا ذریعہ بننے والی چیز بھی حرام ہے۔''

اسی طرح مسلمانوں کے لیے یہ بھی جائز نہیں کہ وہ اپنے مسائل لے کر ان کے پاس جائیں کہ وہ ان کو حل کریں' مثلاً کوئی مسئلہ امریکہ' روس' برطانیہ یا فرانس کے حوالے کریں۔ کیونکہ کافر ممالک سے' یا ان کی فوج سے' یا اپنے مسائل ان کے پاس لے جا کر ان سے مدد مانگنے سے'

مسلمان ممالک پر ان کے اثر ونفوذ اور تسلط میں ان کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اپنے اوپر اختیار دینے سے منع فرمادیا ہے۔

اسی طرح مسلمانوں کے لیے بین الاقوامی تنظیموں کا ممبر بننا بھی جائز نہیں۔ مثلاً اقوامِ متحدہ، عالمی بینک، یا عالمی ترقیاتی ادارہ وغیرہ۔ کیونکہ یہ تنظیمیں ان بنیادوں پر قائم ہیں، جو اسلامی احکامات سے متصادم ہیں۔ اور بڑے ممالک، خصوصاً امریکہ کی آلۂ کار ہیں۔ ان کے ذریعے وہ اپنے مفادات کو حاصل کرتا ہے۔ اور یہ کافروں کے اسلامی ممالک میں اثر ورسوخ حاصل کرنے کے ذرائع ہیں۔ لہٰذا یہ شرعاً حرام ہیں۔ کیونکہ حرام کا ذریعہ بھی حرام ہے۔ اسی طرح مسلمانوں کے لیے علاقائی معاہدوں اور تنظیموں میں شامل ہونا بھی حرام ہے جیسے عرب لیگ، اسلامی کانفرنس کی تنظیم، مشترکہ دفاعی معاہدہ وغیرہ۔ کیونکہ یہ بھی ان بنیادوں پر قائم ہیں، جو اسلام سے متصادم ہیں۔ اور یہ مسلمانوں کے علاقوں کے ٹکڑے ٹکڑے ہونے، اور بغیر وحدت کے جدا رہنے کا تقاضا کرتے ہیں۔

۲۰ شعبان ۱۴۰۵ھ الموافق ۱۹۸۵۔۵۔۹

ترجمہ: ۲۰۰۰۔۱۱۔۰۲